مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماهنامه ______ لاهور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660

ٹیلی فون : 876219

فیکس : 42-876219

انتظامیہ ادارہ طلوع اسلام

چیئرمین :- بریگیڈئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خاں

ناظم :- محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول :- محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت :- میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز

ناشر :- عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع :- خالد منصور نسیم

مطبع :- النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔ 54500

مقام اشاعت :- B-25 گلبرگ 2 - لاہور۔ 54660

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
پرویزؒ	بشیر احمد عابد (کویت)	6
قائداعظمؒ کا پاکستان	علامہ غلام احمد پرویزؒ	19
غیرمذہبی باتیں	منظور احمد (ناروے)	34
حقائق و عبر	ادارہ	39
نئے طوفان	نذیر ناجی	42
قرآن۔ حدیث اور سنت	بشیر احمد	48
برطانوی وزیر خارجہ کے فرمودات	الطاف گوہر	63
عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی	علی محمد چدھڑ	67
کھلا خط	محمد اسلم رانا	75
قرآنی فکر کا درخشاں ستارہ	محمد عمر دراز	77

جلد 48 شمارہ 3 مارچ 1995ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے اندرون ملک سالانہ 120 روپے بیرون ملک : 18 امریکی ڈالر

لمعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفتری بدانتظامی

"حکومت کا وجود کیوں ضروری ہے؟ اس کے فرائض و واجبات کیا ہیں اور ایک اچھی حکومت کسے کہتے ہیں؟" یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق افلاطون کے زمانہ سے لے کر آج تک اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اگر اسے یکجا کیا جائے تو شاید قطب مینار جتنا ڈھیر لگ جائے۔ لیکن اس تمام ڈھیر کو اگر سمٹایا جائے تو اس میں سے قدر مشترک یہ نکلے گی کہ حکومت کا وجود اس لئے ضروری ہے کہ افراد مملکت آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کریں۔ آرام جسمانی ضروریات کے لحاظ سے اور اطمینان قلبی مسرتوں اور ذہنی خوشگواریوں کی رو سے۔ بنا بریں ایک اچھی حکومت وہ ہو گی جس میں افراد مملکت کی ضروریات زندگی جگر پاش مشقتوں کے بغیر پوری ہوتی رہیں۔ انہیں اپنے معاملات کے سلجھانے اور سنوارنے میں کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور ان کے دل و دماغ کی مضمر صلاحیتیں بآسانی نشوونما پاتی چلی جائیں۔ یہ ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی۔

اب ایک اور چیز کو لیجئے "گورنمنٹ"۔ "حکومت"۔ یا "سرکار" کے الفاظ ہماری زبان میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کا آئینی اور قانونی مفہوم کچھ ہی ہو لیکن عوام کے نقطۂ نگاہ سے "گورنمنٹ یا سرکار سے مراد ہوتے ہیں وہ سرکاری دفاتر اور ان کے اہل کار جن سے انہیں واسطہ پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی گورنمنٹ یا حکومت کیسی ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ اس کے دفاتر میں کس طرح کام ہو رہا ہے۔ اگر کسی حکومت کے دفاتر اچھی طرح کام نہیں کر رہے تو ' اس کے ارباب حل و عقد ہزار بڑی بڑی اسکیمیں بنائیں اور لاکھ پیچیدہ گتھیاں سلجھائیں' مملکت کا ایک قدم بھی مرفہ الحالی اور خوش اقبالی کی طرف نہیں اٹھ سکے گا۔ اور عوام کی حالت دن بدن بدتر ہوتی چلی جائے گی۔ اس حکومت کی مثال اس انجینئر کی سی ہو گی جو اپنے کمرے میں بیٹھا عدیم النظیر نقشے بناتا اور فقید المثال پروگرام مرتب کرتا رہے لیکن اس کے ورکشاپ میں مشینوں کو زنگ کھا رہا ہو اور چیکٹ سے ان کے تمام کل پرزے جام ہو چکے ہوں۔ اس انجینئر کا کوئی نقشہ نتیجہ خیز اور کوئی پروگرام ثمربار نہیں ہو گا۔

اگر ہم مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں اپنی حکومت (پاکستان) کے دفاتر کو دیکھتے ہیں تو بلا مبالغہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی حالت سکھوں کی ان ریاستوں سے بھی بدتر ہو چکی ہے جنہیں تقسیم ہند سے پہلے بدنظمی کے لئے بطور ضرب المثل پیش کیا جایا کرتا تھا۔ ہم یہ بات محض سنی سنائی نہیں کہہ رہے بلکہ برسوں کے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ رہے ہیں جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' دفاتر میں اہل کار اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ وہ عوام کی ضروریات کے پورا کرنے اور ان کے معاملات کے سلجھانے میں ان کی معاونت کریں۔ لیکن ہمارے دفاتر میں ہر شخص یہ سمجھتا ہے

کہ میں یہاں حاکم کی حیثیت سے ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ پبلک کا جو آدمی میرے پاس آئے اس پر حکومت کروں۔ چنانچہ آپ کسی دفتر میں جایئے' سب سے پہلے آپ کو اسی "تھانیدارانہ" ذہنیت سے واسطہ پڑے گا۔ جس اہل کار سے آپ کو کام پڑا ہے اس کی تنخواہ آپ کے ٹیکس سے ادا ہوتی ہے لیکن وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ آپ پر یہ ثابت کر دے کہ آپ اس کے مقابلہ میں بہت ذلیل ہیں اور س کا مقام آپ سے بہت بلند ہے۔ (واضح رہے کہ یہ وہی صاحب ہیں جن کے لئے خود سرکار کے ہاں سے "پبلک سرونٹ" خادم عوام۔ کا لقب تجویز ہوا ہے اور ان کے منتخب کرنے والے ادارہ کا نام پبلک سروس کمیشن ہے۔ یعنی ("خدمت عوام کے لئے افراد منتخب کرنے والا ادارہ")۔ دفاتر کی بیشتر اکثریت انہی تحکمانہ ذہنیت رکھنے والے "سرکاری فوجداروں" پر مشتمل ہے۔

اس گروہ میں کچھ تو وہ ہیں جن کا مقصد محض اپنے جذبۂ حکومت کی تسکین ہوتا ہے۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ یا کم از کم بیوست آمیز ترشروئی کے بعد کام کر دیتے ہیں۔ لیکن بیشتر طبقہ ایسا ہے جو اس شخص کو (جس کا اس سے کام ہے) ذلیل بھی کرتا ہے اور اس کے کام میں روڑے بھی اٹکاتا ہے اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب تک اس مشینری میں "موبل آئل" نہیں ڈالا جائے گا یہ حرکت میں نہیں آئے گی۔ چنانچہ اب جس طرح مکانوں کے سلسلے میں "پگڑی" ایک معروف قاعدہ کی شکل اختیار کر چکی ہے اسی طرح دفاتر میں رشوت کا موبل آئل بھی کاروباری موٹر کا لاینفک جزو قرار پا چکا ہے اور لوگ اس کے ایسے عادی بنا دیئے گئے ہیں کہ اب نہ رشوت دینے والا شرماتا ہے نہ لینے والا جھجکتا ہے۔ بلکہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں منصب پر کوئی ایسا افسر آگیا ہے جو رشوت نہیں لیتا تو اول تو اسے کوئی باور ہی نہیں کرتا اور اگر باور کرنا پڑ جائے تو ان کے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور انہیں خدشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اب کام اتنی آسانی سے نہیں ہوا کرے گا۔ اس رشوت ستانی کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کسی کے دل میں قاعدے اور قانون کا کوئی احترام رہ گیا ہے اور نہ عدل و انصاف کی کوئی توقع۔ چنانچہ اب رفتہ رفتہ معاشرہ کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے وہ قانون کی اس لئے پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانتا ہے کہ پیسہ کے زور پر قانون کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے اور جس کے پاس پیسہ نہیں وہ اس لئے قانونی چارہ جوئی کی طرف رخ نہیں کرتا کہ اسے اپنے حق میں انصاف کی توقع ہی نہیں ہوتی۔ وہ تنگ آکر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے خواہ اس کے بعد اسے اس کا کتنا ہی سخت معاوضہ کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔

ان اہلکاروں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو رشوت تک تو نہیں پہنچتا (یا یوں کہئے کہ رشوت ان تک نہیں پہنچتی) لیکن جو کام ہی نہیں کرنا چاہتے سارا سارا دن میز پر ٹانگیں رکھے سگریٹ پھونکنے اور گپیں لڑانے میں وقت گزار دیتے ہیں جس بدقسمت کا ان سے واسطہ پڑ جائے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہاں نہ دوا سے کام چلے گا نہ دعا سے'

اس لئے وہ افسانوی "سبز پوش" جو (جی میں آجائے تو کبھی کبھار) لب بام تو نظر آسکتا ہے ورنہ

نہ بہ زوری- نہ بہ زاری- نہ بہ زر می آید

ان سے کام لینے کا کوئی طریقہ ہی نہیں- یہ وہ موڑ ہے جس میں پٹرول ہی نہیں ہوتا- چنانچہ دفاتر میں ایسے ایسے "گل محمد" موجود ہیں جن کے پاؤں برسوں کے فائل پڑے ہیں اور انبار در انبار پڑے ہیں لیکن ان میں سے کوئی آگے نہیں سرکتا- یہ ان فائلوں پر سانپ کی طرح بیٹھے ہیں اور باہر دنیا ان کی جان کو رو رہی ہے- نہ ان کا بیٹھنا کسی ذمہ دار افسر بالا کو نظر آتا ہے نہ باہر والوں کے رونے کی آواز کسی کے کان تک پہنچتی ہے-

ایک اور طبقہ ہے جو سست رو تو نہیں لیکن اسے دوسروں کے وقت اور سہولت کا قطعاً" کوئی احساس نہیں ہوتا- آپ صبح گئے ہیں اور انہوں نے آپ کو دوپہر تک باہر بٹھائے رکھا- دوپہر کے بعد خدا خدا کر کے آپ کی باریابی ہوئی تو کاغذ دیکھ کر' ایک شان استغناء سے فرما دیا کہ اس پر مہر نہیں لگی- آپ مہر لگا کر لائے تو ارشاد ہوا کہ اب کل آیئے گا- کچھ تو ان حضرات کے مزاج ہی ایسے ہیں اور اس میں کچھ اضافہ بعض دفاتر کے غلط قاعدوں نے کر رکھا ہے- مثلاً ایک صاحب نے ہمیں بتایا کہ انہیں ایک دفتر میں ایک نقل لینی تھی- صبح سے دوپہر تک انتظار کے بعد ارشاد ہوا کہ اس کے لئے پانچ' دس روپے ادا کیجئے- (یہ پہلی دفعہ تھی کہ اس کے لئے پانچ' دس روپے ادا کرنے کا قاعدہ رائج ہوا تھا)- انہوں نے روپے نکال کر پیش کئے تو فرمایا کہ یہاں نہیں- ادھر جاؤ- ادھر ادھر سے پوچھتے پاچھتے "ادھر" گئے تو معلوم ہوا کہ پانچ' دس روپے بینک میں جمع کرنے ہیں- دوسرے روز بینک گئے تو وہاں سے حکم ملا کہ خزانے سے ایک چالان کا فارم لو اور اسے پر کر کے روپوں کے ساتھ پیش کرو- خزانے سے فارم لیا اور پھر بینک پہنچے تو اتنے میں بینک کا کاروباری وقت ختم ہو چکا تھا- دوسرے دن بینک میں پانچ' دس روپے جمع ہوئے تو رسید لیکر پھر اس دفتر میں پہنچے- وہاں سے اطلاع ملی کہ جب تک انہیں بینک سے اطلاع نہیں آئے گی کہ روپیہ فی الواقعہ جمع ہو گیا ہے اس وقت تک نقل نہیں مل سکے گی- اگلے دن انہیں خدا خدا کر کے بینک سے اطلاع ملی تو انہیں نقل ملی (زحمت کو تو چھوڑیئے) ان پانچ' دس روپوں کی ادائیگی میں جس قدر ان کا وقت صرف ہوا اس کی قیمت دو سو روپے سے بھی زیادہ تھی- لیکن اس کا کسی کو احساس نہیں- دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام- جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' ان چیزوں میں دفاتر کے غلط قاعدوں کو بھی دخل حاصل ہے اور خود اہلکاروں کی افتاد مزاج کو بھی-

بہرحال' تحکمانہ ذہنیت والے سخت کلام سرکاری فوجدار ہوں یا "موبل آئل" طلب کرنے والے نرم گو- "آہستہ خرام بلکہ مخرام" والے سست رو ہوں یا "ادھر جاؤ" کی شان استغنا والے تیز گام- عوام بیچارے ان سب کے ہاتھوں سخت تنگ ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کریں کیا؟ اس میں شبہ نہیں کہ انہی دفاتر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فی الواقعہ اپنے آپ کو پبلک کے خدام اور ان کے سامان مددگار سمجھتے ہیں اور اس جذبہ کے

ماتحت اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن ان مستثنیات سے دفاتر کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت حالات کی اہمیت کا کسی کو اندازہ نہیں کیونکہ اس کی اصلاح کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ ہمارے ارباب بست و کشاد بڑے بڑے مسائل سلجھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے کہ ان مسائل کے سلجھانے میں تگ و تاز کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے اگر افراد مملکت کے معاملات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جائیں اور انہیں نہ ضروریات زندگی کی طرف سے آرام نصیب ہو نہ قلبی و ذہنی احتیاجات کی طرف سے اطمینان۔ یاد رکھئے! اچھی حکومت وہی ہوتی ہے جس کے دفاتر اچھے ہوں اور دفاتر وہی اچھے ہیں جو عوام کی ضروریات پوری کرنے اور ان کے معاملات سلجھانے میں ہر قسم کی مدد دینا اپنا سرکاری فریضہ سمجھیں اور سمجھیں ہی نہیں بلکہ اس فریضہ کو ادا بھی کریں۔ اگر ہمارے دفاتر میں یہ تبدیلی نہ ہوئی تو حکومت بھی محکم بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

قرآن نے فنا اور بقا کا محکم اصول یہ بتایا ہے کہ **مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ** (13/47) بقا اسی کو نصیب ہو گی جو نوع انسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش ہو گا۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے جو کسی کی خاطر بدل نہیں سکتا۔

واضح رہے کہ جن بدعنوانیوں اور بدنظمیوں کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے' ان کا شکار صرف پبلک کے افراد ہی نہیں ہوتے۔ خود دفاتر میں بھی یہ حالت ہے کہ جن لوگوں کا کوئی اثر رسوخ نہیں ان کے ساتھ بھی اس قسم کی ناانصافیاں اور زیادتیاں ہوتی ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اور جن کا کہیں مداوا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان بچاروں کی داد فریاد کوئی نہیں سنتا اور چونکہ ملازمت کے علاوہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں اس لیے وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں بغیر لب ہلائے اندر ہی اندر کڑھتے' مرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے زخم خوردہ افراد جو جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ یوں بے انصافی ہوئی ہے' وہ دفتر میں جس دل جمعی اور محنت سے کام کریں گے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اعتذار

اکتوبر 1995ء کا شمارہ پہلی بار کمپیوٹر پر کمپوز ہوا تھا۔ کمپیوٹر میں اعراب نہ ہونے کی وجہ سے عربی کے بعض الفاظ صحیح انداز میں املا نہیں ہو پائے جس کے لئے ہم اپنے اللہ اور قارئین سے شرمسار ہیں۔ آیات کے حوالہ جات پرچے میں درج ہیں۔ قارئین جس کسی اندراج میں سقم محسوس فرمائیں اسے گھر میں موجود قرآن پاک سے ملا کر درست فرما لیں اپنی اس کمزوری کے لئے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔!

پرویزؒ

بشیر احمد عابد۔ کویت

24 فروری 1995ء کو پرویزؒ صاحب کو وفات پائے پورے دس سال مکمل ہو گئے ہیں۔

پرویزؒ صاحب کا شمار ان لازوال شخصیات میں ہوتا ہے جنہیں حق گوئی اور حق پرستی کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرنی پڑی۔ ان سعید روحوں نے حق کی خاطر اپنا سب کچھ نثار کر دیا' لیکن حق بات کہتے ہوئے نہ تو ان کی زبان گنگ ہوئی اور نہ پائے استقامت میں لغزش پیدا ہوئی۔ مخالفین نے ان کے راستے میں مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے' طرح طرح کی اذیتیں دیں' طعن و ملامت کی' کفر کے فتوے لگائے لیکن آپ نے یہ سب کچھ نہایت حوصلے کے ساتھ برداشت کیا۔ ان میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے اور اس قول کے مصداق : خلق پسِ دیوانہ و دیوانہ پسِ کار ؟ اپنے مشن کو لیکر دیوانہ وار بڑھتے چلے گئے۔ آپ کی ہزاروں صفحات پر پھیلی تحریریں' سینکڑوں آڈیو' ویڈیو کیسٹس پر مشتمل قرآن کریم کے درس اور خصوصی لیکچرز اور لا تعداد مضامین جو وقتاً" فوقتاً" ملک کے ممتاز جرائد و رسائل میں شائع ہوئے' اس وارفتگی اور محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ نے جو کام تنِ تنہا کیا اسے اچھی اچھی منظم جماعتیں بھی سرانجام نہیں دے پائیں۔ آپ نے گذشتہ چودہ صدیوں پر محیط اسلاف کے جملہ لٹریچر کا دِقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضرہ کی علمی تحقیقات کا بھی کماحقہ ادراک حاصل کیا۔ اور یوں جدید و قدیم علوم سے لیس ہو کر قرآن حکیم کے بحرِ زخار میں غوطہ زن ہوئے۔ کم و بیش پچاس سال تک اس کی غواصی کرتے رہے۔ اس کا چپہ چپہ چھان مارا' ایک ایک صدف کے منہ میں جھانکا اور یوں جو گوہر علمی حاصل ہوئے' انہیں اس صاحب طرز ادیب اور شگفتہ مزاج انشا پرداز نے اس برجستگی اور حسن و رعنائی کے ساتھ اپنی تحریروں میں سجایا کہ سچ پڑھنے اور سچ سننے والوں کی نگاہِ بصیرت وجد میں آجاتی ہے۔

لیکن اس کے برعکس جن لوگوں نے کذب و افتراء کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے' حق کی تلبیس اور

کستمان حقیقت جن کی گھٹی میں پڑی ہے۔ دین فروشی اور داستان گوئی جن کا پیشہ ہے' پرویزؒ کی یہی تحریریں ان کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتی ہیں۔ وہ حق و صداقت کی تاب نہ لا کر چلا اٹھتے ہیں کہ پرویزؒ کافر ہے!

ہاں۔ پرویزؒ کافر ہے! اس لئے کہ پرویزؒ نے ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ پرویزؒ نے ان کے ایک ایک جھوٹ کو بے نقاب کیا اور ان کی افتراء پردازیوں کا پردہ چاک کیا۔ اگر یہ پرویزؒ کو سچا قرار دیتے تو اس کا مطلب ہوتا کہ پرویزؒ بھی انہی کی طرح جھوٹا ہے۔

پرویزؒ نے اپنے فرائض، مصلحت اور مفاد سے بلند ہو کر خالص علم و بصیرت کی روشنی میں سرانجام دیئے۔ آپ نہ تو جذبات کی طغیانیوں میں ڈوبے' نہ خواہشات کے گرداب میں پھنسے اور نہ ہی آپ نے کبھی ظن و تخمین کے اٹکل پچو لڑائے۔ آپ نے اپنے آپ کو ہر خوف و طمع سے پاک رکھا اور اپنے دل و دماغ کو مکمل سکون اور اطمینان کے ساتھ قرآن کریم کی خالص رہنمائی میں استعمال کیا۔ آپ نے اپنے ہر دعویٰ کے ثبوت میں مستند علمی دلائل پیش کئے۔

جو بات بھی کہی وثوق سے کہی اور اس کے لئے اپنے آپ کو خدا کے حضور ذمہ دار گردانا۔ آپ نے یوں نہیں کیا جیسا کہ اکثر علماء کرتے ہیں کہ ایک بات اپنے ذہن سے اختراع کی اور اسے خدا اور رسولؐ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا پھر اگر کوئی بات مقبولِ عام ہو گئی تو اس کا سہرا اپنے سر باندھ لیا بصورت دیگر اسے اسلاف کے کھاتے میں ڈالدیا۔ پرویزؒ صاحب نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ آپ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کے ہمیشہ معترف رہے۔ آپ کو اپنی کوتاہ دامنی کا ہمیشہ احساس رہا۔ آپ نے نہ تو خدا اور رسولؐ کے مقدس نام کو غلط استعمال کیا اور نہ اسلاف کی شرف و عظمت کا کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ بلکہ جو بات بھی کہی اپنی ذمہ داری پہ کہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر تحریر اس اعتراف کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے جس کا اظہار آپ نے مفہوم القرآن میں درج ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

> "آخر میں' پھر اس حقیقت کو دہرا دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ مفہوم القرآن میں پیش کیا گیا ہے' وہ فہم قرآن کی انسانی کوشش ہے' اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی اسے کبھی حرف آخر کہا جا سکتا۔" (اقتباس از مفہوم القرآن ص ط)

دراصل بات یہ نہیں کہ یہ لوگ علم و بصیرت کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہوں کہ پرویز نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ علمی کام کو پرکھنے اور سمجھنے کا جو صحیح طریقہ ہوتا ہے اسے یہ لوگ اختیار ہی نہیں کرتے۔ علمی تحقیقات دلائل و براہین کی رو سے سمجھی جا سکتی ہیں لیکن یہ ایسا کرنے کی بجائے ہر شے کی صداقت کو اسلاف کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں یا سواد اعظم کی سنت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جبکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ کسی بات کی سچائی معلوم کرنے کے لئے یہ ذرائع یعنی اسلاف کی روش اور اجماع

امت دونوں ناقص اور ناقابل اعتماد ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ آیت 100 اور 104)۔

قرآنِ کریم کی نزدیک کسی بات کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر دعویٰ کیا جائے کہ کیتلی میں پانی ڈال کر اور چولہے پر رکھ کر آگ جلا دی جائے تو پانی اُبل جائے گا۔ تو اس دعوے کی صداقت یہ ہو گی کہ پانی فی الواقعہ اُبل جائے۔ انسان اپنی تمدنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے ان سب کے نتائج مرتب ہوتے ہیں جن کی شہادت تاریخ کے اوراق میں ملتی ہے یا پھر خارجی کائنات میں رونما ہونے والے مظاہرِ فطرت کے گہرے مشاہدے اور مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ انسان کی علمی سطح اس حد تک بلند ہو کہ وہ ان حقائق کا بخوبی احاطہ کر سکے۔ اب ان لوگوں کی نہ تو علمی سطح اتنی بلند ہے' نہ ہی یہ اسے بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بس یونہی جھٹلائے چلے جاتے ہیں۔ اس کا کوئی کیا علاج کرے۔ مجھے ذاتی طور پر پرویزؒ صاحب کو پڑھتے ایک طویل عرصہ ہو چلا ہے لیکن آج تک کوئی ایسی بات نہیں ملی جو قرآن کریم کے کسی بھی حکم کی نفی کرتی ہو یا کسی تضاد کا باعث بنتی ہو۔ نہ ہی کوئی ایسی بات ملی جس سے حضور رسالتمابؐ کی حیات طیبہ کے کسی بھی پہلو پر طعن پڑتا ہو۔ اور نہ ہی آپ کی تحریر و تقریر میں کوئی بات ایسی ہے جو سلفِ صالحین کے کارناموں کی نقیض ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز دشمنی کی اپنی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ یہ سراسر بخل اور جہالت پر مبنی ہے۔

پرویزؒ چاہتا تو اپنی محنت کا صلہ پوری قوم سے وصول کر سکتا تھا۔ اس قوم کا بچہ بچہ پرویزؒ کے نام کی مالا جپتا۔ یہ علمائے اکرام اور صوفیائے عظام جن کے طرے آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہیں' پرویزؒ کی خاک پا کو چھونا اپنے لئے باعث سعادت اور موجبِ تسکینِ قلب و دماغ سمجھتے بشرطیکہ پرویزؒ تمکدۂ قرآنی کا بادہ خوار نہ ہوتا!

پرویزؒ نے جو عظیم اور ضخیم دینی لٹریچر تخلیق کیا ہے اس کی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملتی۔ اس میں صراحت ہے! فصاحت ہے! بلاغت ہے! سلاست ہے! ہر بات کو ٹھوس اور محکم دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ پرویزؒ نے مکھی پر مکھی نہیں ماری۔ اور یہی اس کا سب سے بڑا قصور ہے! اگر وہ بھی اسلاف پرستی کی ڈگر پر چلتا تو اپنے ہمعصر علماء سے کہیں زیادہ واجب الاحترام قرار پاتا۔ ہمارے نامور اور جید علماء کی صفتِ اولیٰ یہ ہے کہ یہ اسلاف کی روش سے انچ بھر نہیں سرکتے اور اسے اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اور ان کی حالت ایسی ہے جیسی ہر مذہب میں تقلید پرستوں کی ہوتی ہے۔ آج اگر ان کی طرف کوئی نبی بھی کیوں نہ آجائے یہ بالکل نہیں بدلیں گے۔ پرویز تو ایک کمزور انسان تھا اس کی دعوت الی الحق کا ان پر کیا اثر ہوتا۔ پرویزؒ نے اپنے لئے جادۂ قرآنی کا انتخاب کیا' اسی کی روشنی میں خود سفر کیا اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دی۔ آپ کے نزدیک اس کے علاوہ جو راستے بھی ہیں وہ سب کے سب انسان کو شرک کی وادیوں میں

لے جاتے ہیں۔ پرویزؒ ایک مخلص اور سیدھا سادھا مسلمان تھا۔

:- مسلما" حنیفا" -:

پرویزؒ نے اپنا سب کچھ گنوا دیا لیکن مشرکانہ روش اختیار نہ کی۔ عزت و شہرت' مال و دولت' آرام و سکون۔۔ کسی کی پرواہ نہ کی! پرواہ کی تو صرف اس بات کی کہ مجھے ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس دن نہ شفعاء ساتھ دیں گے اور نہ شریکے! اس دن اکیلی جان ہو گی اور اللہ میاں کا ترازو' جس کے ایک پلڑے میں صلاحیت بخش اور انسانیت ساز کارنامے ہونگے اور دوسرے میں فساد اور فتنہ انگیزی ہو گی۔ ان میں سے جس کا وزن زیادہ ہو گا اس کا اجر مل جائیگا۔ فلہذا' آپ نے جو بات بھی کہی خالصتہ "لوجہ اللہ کہی اور اس نیت سے کہی کہ اس سے کاروانِ انسانیت کو ثبات واستحکام اور امن و خوشحالی نصیب ہو گی۔ جس روز سے انسان نے خدا کی رسی کو چھوڑا ہے۔ اس کی حالت چڑیا کے اس بچے کی طرح ہو گئی ہے۔ جو اپنے گھونسلے سے نیچے زمین پر گر گیا ہو۔ وہ بالکل غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اسے کوئی بھی چیل اچک کر لے جا سکتی ہے۔ انسان جب خدا کی رہنمائی سے محروم ہو جاتا ہے تو پھر وہ مفاد پرستوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ جو اسے جھوٹے وعدوں اور جھوٹی امیدوں کے سہارے زندہ رکھتے ہیں اور اس کی محنت کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔ یہی چیز طبقاتی کشمکش کا باعث ہوتی ہے۔ پرویزؒ صاحب زندگی بھر اس طبقاتی کشمکش کے خلاف مصروفِ جہاد رہے۔ آپ فرقہ واریت کو' خواہ یہ مذہبی ہو یا سیاسی' اسلام کے فلسفۂ وحدانیت کے لئے زہرِ ہلاہل قرار دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"قرآن کا منتہٰی و مقصود وحدتِ انسانیہ ہے' یعنی اقدارِ خداوندی کے تابع نوعِ انسان کو ایک مرکز پر جمع کرنا تاکہ ان فساد انگیزیوں اور خون ریزیوں کا خاتمہ ہو جائے جو انسانوں کے مختلف ٹکڑوں میں بٹ جانے کا فطری نتیجہ ہیں۔ اس کے لئے وہ آغازِ کار کے طور پر ایک اُمّت تشکیل کرتا ہے جسے وہ امت مسلمہ کہہ کر پکارتا ہے۔ اس اُمّت کی وحدت توحید کی مظہر ہے۔ اسی لئے تفرقہ (فرقہ بندی) اس کے نزدیک شرک اور کفر ہے"۔ (اقتباس از مطالب الفرقان ص 172)

ہمیں ان لوگوں پر حیرت ہے جو پرویزؒ پر فرقہ پرستی کا الزام لگاتے ہیں اور پرویزی فرقہ مشہور کر رکھا ہے۔ ایسا صریح جھوٹ کوئی دہریہ انسان بھی نہیں بول سکتا۔ نہ جانے ایسے لوگ اللہ و آخرت پر ایمان کے دعویدار کیسے بنتے ہیں؟۔ معصوم انسانوں پر جھوٹی تہمتیں اور الزام لگاتے ہوئے انہیں ذرہ بھر خوفِ خدا کا احساس نہیں ہوتا۔ پرویزؒ کا تعلق کسی بھی فرقے سے نہ تھا اور نہ ہی آپ نے کسی نئے فرقے کی بنیاد ڈالی۔

آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنیف مسلم کہتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

"میرا تعلق کسی مذہبی فرقہ سے نہیں۔ میں فرقہ بندی کو از روئے قرآن شرک سمجھتا ہوں۔ میں صرف مسلمان ہوں۔ اور قرآنِ کریم کا طالب علم۔ اس طالب علم قرآنی کے سلسلے میں بھی میرا یہ ایمان ہے کہ کسی خاص عقیدہ، نظریہ، یا تصور کو پہلے سے ذہن میں جاگزیں کر کے قرآن کے سمجھنے کی کوشش کرنا بھی شرک ہے۔ قرآن کی طرف خالی الذّہن ہو کر آنا چاہئے۔ اور اس طرح اس کی بارگاہ سے جو تعلیم ملے اس کی صداقت پر ایمان رکھنا چاہئے۔" (اقتباس از مطالب الفرقان ص 57)

:- اولوالعلم قائماً" بالقسط :-

قرآنِ کریم کے متعلق ارشاد ہے :-

(اے رسولؐ ! ان مخاطبین سے کہدو)

ہم نے انہیں ایک ایسا ضابطۂ حیات دیا ہے جو ہر بات کو علم و حقیقت کی بنیادوں پر، کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں سامانِ ہدایت و رحمت اپنے اندر رکھتا ہے۔ (7:52)

اس آیۂ کریمہ میں قرآنِ کریم کی ایک خصوصیتِ کبریٰ بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ اس ضابطۂ حیات کی ہر بات کو علم و دانش کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ (Subject To Rational Interpretation and Logic)

خارجی کائنات میں تو یہ حقیقت ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتی ہے اور وہاں تمام مظاہرِ فطرت اور ہر غیب و مشہود کی بنا علم پر قائم ہے۔ اور جب تک کوئی شے یا واقعہ اپنے متعلق کیوں اور کیسے کا جواب فراہم نہ کرے تو اس کے وجود کو بطور حقیقت تسلیم نہیں کیا جاتا، لیکن دنیائے مذاہب میں یہ اصول مفقود ہے۔ کوئی ایک مذہب بھی ایسا نہیں جس میں یہ صفت موجود ہو اور جو اپنے دعاوی کو علم و بصیرت کی رو سے پیش کرتا ہو۔ وہاں جو کچھ کیا اور سنا جاتا ہے اسے گونگا، بہرہ اور اندھا بن کر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور حقائق کو منوانے کے لئے ابراہیمؑ کو آگ میں کودنا پڑتا ہے۔ مذہب کی دنیا معجزات کی دنیا ہوتی ہے۔ علم و بصیرت کی نہیں ! مذہب پرست اچھے اچھے صاحبِ علم اور اولوالعزم انبیاءؑ کو بھی جادوگر اور مداری کی سطح پر لے آتے ہیں۔ یہ لوگ دلائل و براہین کی رُو سے گفتگو نہیں کریں گے۔ مسلمان چونکہ قرآنِ کریم کا اتباع نہیں کرتے لہٰذا ان کی حالت بھی عام مذہب پرست لوگوں سے مختلف نہیں اور ان کے عقائد و نظریات کی اساس بھی علم و حقیقت کی بجائے ظن و تخمین پر قائم ہے۔

پرویزؒ ایک صاحبِ علم شخصیت تھے۔ آپ نے بہت پہلے' زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی مروّجہ عقائد و نظریات پر شک کا اظہار کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے مروّجہ اسلام کے نظریات' تصورات' معتقدات' رسوم و مناسک پر امکان بھر تحقیق کی جس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ ان کا بیشتر حصہ ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ میں نے کئی برس تحقیق و کاوش کی ان سنگلاخ زمینوں اور خاردار وادیوں میں گذارے اور اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی باک نہیں کہ اس صحرا نوردی اور دشت پیمائی میں میرے شکوک و شبہات بڑھتے چلے گئے اور سابقہ معتقدات و تصورات پر میرا یقین باقی نہ رہا۔"

(اقتباس از مطالب الفرقان ص 4)

پرویزؒ صاحب نے بجا فرمایا۔ طلب و تجسّس کی مہیب گھاٹیوں اور ریب و تشکیک کی پرخار وادیوں سے گذرنے کے بعد انسان کا ذہن سادہ لوح (CLEAN SLATE) کی مانند ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں انسان اپنے من میں بسائے صدیوں پرانے خداؤں کی نفی کر دیتا ہے۔ انسان لا اِلٰہ کی تنگناؤں سے نکل کر اِلّا کے مقامِ بلند پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی نگاہ میں وسعت اور سینے میں کشاد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسلام کے حقائق پر کھلے دل سے غور و فکر کر سکے۔ پرویزؒ صاحب نے خدائے علیم و حکیم کے ارشادات کا مطالعہ کسی داخلی یا خارجی خوف و ترہیب کے بغیر بالکل خالی الذّہن ہو کر خالص علمی انداز پر کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کتاب الفرقان' المجید' الحمید کو سمجھنے کے لئے کسی بھی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"قرآنِ کریم اپنے آپ کو نور (روشنی) کہتا ہے۔ اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی خارجی ذریعہ کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو خود دکھاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام اشیاء کی اصل و حقیقت' کو بھی واضح کر دیتی ہے۔" (اقتباس از تبویب القرآن ص 5)

قرآنِ کریم کی رہنمائی کا بنیادی مقصد انسان کو ہر نوع کی غلامی سے آزاد کروانا ہے۔ کیونکہ یہ آزادی اس کی ذات میں استحکام پیدا کریگی اور اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنے ہر قول و فعل کی ذمہ داری خود قبول کر سکے۔ فلہٰذا' اس نے اپنی تعلیمات کو خود ہی کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں سمجھنے میں دشواری تھی یا یہ کہ پرویزؒ نے ہمیں یوں بتایا تھا!

یوم قیامت کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنے علم و بصیرت اور فہم و ادراک کی ذمہ داری خود قبول کرنی ہو گی۔

پرویزؒ صاحب کی اس ضمن میں تحقیق یہ ہے کہ قرآنِ کریم اپنی اصطلاحات اور مفردات کو مختلف

مضامین میں اور اس انداز سے استعمال میں لاتا ہے کہ ان کے معانی و مفاہیم کی اصل روح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ مثلاً لفظ "متقون" کو لیجئے۔ مندرجہ بالا اصول کے مطابق اس لفظ کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کے وہ تمام مقامات اور مضامین سامنے رکھئے جن میں یہ لفظ یا اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے۔ آپ پر حقیقت واضح ہو جائیگی۔ لفظ تقویٰ کا صحیح تصور موتی کی طرح نکھر کر آپ کی نگاہ میں سما جائیگا۔ اور آپ کو کسی سہارے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

پرویزؒ صاحب کا علمی کارنامہ یہ نہیں کہ انہوں نے لکھ لکھ کر کتابوں کے انبار لگا دیئے ہیں بلکہ ان کا عظیم علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن فہمی کے صحیح اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں چل کر ہر انسان از خود قرآنِ کریم کا فہم و ادراک حاصل کر سکتا ہے۔ اور جو بھی ان اصولوں کے مطابق مطالعہ کریگا۔ اس کا فہم و ادراک روح کے اعتبار سے تو یکساں ہو گا لیکن اس کی عملی افادیت کہیں بہتر اور کہیں زیادہ ہو گی۔ مثلاً کٹی ہاک میں رائٹ برادران نے جب پہلا ہوائی جہاز اڑایا تھا تو ان کے پیش نظر ہوا بازی کے وہی اصول تھے جو آج "کونکورڈ" اڑانے والوں کے پیش نظر ہیں۔ روح کے اعتبار سے فہم و ادراک میں کوئی فرق نہیں لیکن افادیت کے اعتبار سے آج کا فہم و ادراک کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔

مفاد پرست اور سستی شہرت کے دلدادہ علماء نے قرآن فہمی کے صحیح اصولوں کو آج تک پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اپنا کاروبار چمکانے کی خاطر کوئی بھی صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ خدا کی طرف جانے والی ہر راہ پر مورچہ لگائے بیٹھے ہیں اور جو بھی ان کے پرمٹ بغیر وہاں سے گذرنے کی کوشش کرتا ہے اس پر طعن و تشنیع کے وہ راکٹ برساتے ہیں کہ نہ صرف اسے تباہ و برباد کرتے ہیں بلکہ اس کا مطالعہ کرنے والوں کے بھی ہوش و حواس اُڑا دیتے ہیں۔ خدا کے صحیح راستے' یعنی قرآنِ کریم کی طرف کوئی آنے کی جسارت ہی نہیں کرتا۔ بنا بریں آج پندرہ سو سال گذرنے کے باوجود عام مسلمان تو درکنار پڑھی لکھی اکثریت بھی اس قابل نہیں کہ وہ قرآنِ کریم کو از خود سمجھ سکے۔ شاعر ہو یا ادیب' وکیل ہو یا صحافی' ڈاکٹر ہو یا انجینئر۔ کسے باشد! قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے لئے انہیں مولوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مولویوں کی کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علم میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کیا۔ قرآن و سنت کا جو علم آج سے چودہ سو سال پہلے حاصل کیا گیا تھا یہ حضرات اسی پر قائم ہیں۔ قرآنِ کریم کی جتنی بھی متداول تفاسیر ہیں۔ سب طرحی غزلیں ہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ ان تفاسیر کے جدید ایڈیشن ہیں جو چودہ سو سال پہلے لکھی گئی تھیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر یہ حضرات ان تفاسیر سے ذرہ بھر بھی اختلاف کرتے تو ان کا حشر بھی پرویزؒ جیسا ہوتا!

پرویزؒ کا فقط اتنا قصور ہے کہ اس نے طرحی غزل نہیں کہی بلکہ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت اپنے آپ کو افراط تفریط سے دور رکھا اور ایک متوازن علمی روش اختیار کی۔ اسلاف کی علمی کاوش ہو یا عصرِ جدید کی کوئی

تحقیق- جو بھی قرآنِ کریم کے معیار پر پورا اترتی تھی اسے اختیار کرنے میں آپ نے ذرہ بھر بخل نہیں کیا۔

پرویزؒ صاحب پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ نے رسولؐ اللہ کی ارشاد فرمودہ تفسیر سے انحراف کیا ہے۔ سراسر غلط بیانی ہے!

رسول اللہؐ کی ذات تو آپ کے لئے روشنی کا مینار تھی۔ آپ نے دراصل اس مواد سے انحراف کیا ہے جو رسولؐ اللہ کی طرف غلط طور پر منسوب کیا جاتا ہے۔ تفاسیر کے ضمن میں جو روایات حضورؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ یہ آپؐ کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ عہدِ رسالتمآبؐ میں قرآن کے علاوہ کچھ نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ آپؐ نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق قرآنِ کریم کے احکام کی بہترین تشریح بیان فرمائی لیکن آپؐ اسے ضبط تحریر میں نہیں لائے۔ یہ کام آپؐ نے کیوں نہیں کیا؟ اس کی منطق بآسانی سمجھی جا سکتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کسی اصول کی تشریح کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اسے عملی شکل دینا مقصود ہو۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انسانی علم و تہذیب ارتقاء پذیر ہیں۔ لہٰذا کسی ایک خاص دور کا معاشرتی نظام اور علمی سطح اس سے اگلے دور کے لئے ناکافی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر بچہ جب نشوونما کے مراحل طے کرتا ہے تو ہر مرحلے پر اس کی ضروریات اور علمی سطح بدلتی اور بلند ہوتی جاتی ہے۔ گو کہ زندگی کے اصول عمر بھر ایک جیسے رہتے ہیں۔ ان اصولوں کی ہر مرحلہ پر مختلف تشریح کرنی پڑتی ہے۔ قرآنِ کریم کے اصول و احکام ازل تا ابد محفوظ ہیں۔ لیکن ان کی تشریح ہر دور کے تقاضوں کے مطابق کی جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ نے اپنے کسی بھی قول و فعل کو لکھ کر محفوظ نہیں کیا۔ آپؐ جانتے تھے کہ قرآنِ کریم کو علم و بصیرت کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جوں جوں انسانی علم میں اضافہ ہو گا قرآن کریم کے احکام کی بہتر سے بہتر تشریح ہوتی چلی جائیگی۔ اور انسانی تہذیب دلدل کی بجائے ایک ایسے سدا بہار چمن میں بدل جائیگی جس میں ہر موسم میں نئے نئے پھول کھلتے ہوں۔ اس وقت اسلامی تہذیب و تمدن جس پستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے علماء نے اپنے اوپر علم و دانش کے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں۔ یہ حضرات عصر حاضر کے تقاضوں اور علمی سطح کا قطعی ادراک نہیں رکھتے اور جنہیں حاصل ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے۔ قرآنِ کریم کے احکام کی تعبیر و تشریح' جسے یہ تسلیم کرتے ہیں وہ عوام کو درپیش مسائل و مشکلات کا کوئی حل نہیں پیش کرتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ عوام ان کی باتوں کو نہیں مانتی۔

پرویزؒ صاحب پر جو انکار حدیث یا انحرافِ قرآن کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت بھی اسی طرح ہے۔ وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ قرآنِ کریم کی جو تعبیر و تشریح اسلاف کے زمانے سے چلی آرہی ہے وہ ناکافی ہے بلکہ آپ کا کہنا ہے کہ اس تعبیر و تشریح میں بہت سی غلط بیانی بھی شامل ہے۔ اس غلط بیانی میں کچھ تو

مخالفین کی تحریفات و تلبیسات ہیں لیکن اس کا بیشتر حصہ عقیدتمندوں کی شدت غلو پر مشتمل ہے۔ پرویزؒ صاحب نے حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ ان آلائشوں سے الگ ہٹ کر کیا ہے۔

"خالص مصطفوی"

پرویزؒ صاحب نے حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ کا قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ کیا۔ آپ کو کامل یقین تھا کہ حضورؐ کی زندگی قرآنِ کریم کی تعلیمات کا مرقع تھی لہٰذا ایسی کوئی بات جو قرآن کریم کے خلاف ہو وہ آپؐ کی نہیں ہو سکتی۔ حضورؐ کی زندگی ایک عظیم انقلابی کی زندگی تھی۔ آپؐ کے جہاں ہزاروں جان نثار ساتھی تھے' وہاں دشمنوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان لوگوں نے طرح طرح کے افسانے تراشے اور آپؐ کی ذاتِ اقدس و مطہرہ سے منسوب کر دیئے۔ اگرچہ ان مفتریات کو دُور کرنے کی انتہائی مخلصانہ کاوش کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود کئی باتیں آج تک مقبول عام ہیں۔ مخالفین نے سچ و جھوٹ کو اسقدر ہوشیاری سے گڈمڈ کیا ہے کہ اچھے اچھے زیرک اور دانشمند حضرات کے لئے بھی اس میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس مشکل کا واحد حل اور اس ضلالت (Confusion) سے نکلنے کی واحد سبیل قرآنِ کریم کی بتلائی ہوئی سبیل الرشد تھی لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلمان اس سبیل کو اختیار ہی نہیں کرتا۔ مسلمان اُمّت کو چاہئے تھا کہ وہ قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھتی اور جب کبھی بھی حق و باطل اور طیب و خبیث میں تمیز کرنے کی ضرورت پڑتی تو صرف اس کسوٹی پر پرکھا جاتا۔ ہر چیز موتیوں کی طرح نکھر کر سامنے آجاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے "فرقان" کہا ہے۔ اور فرقان وہ چیز ہوتی ہے جو کھرے اور کھوٹے میں بال برابر فرق کو بھی ظاہر کر دے۔ لیکن دشمن کی عیاری اور دانشمندی کا تقاضا تھا کہ ایسا نہ ہونے دیا جائے۔ اس چال میں وہ کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ آج ہم مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ اس چال کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قرآن کا کثرت کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے لیکن اس سے رہنمائی حاصل نہیں کی جاتی۔ آج کا مسلمان اس پست سطح پر جا پہنچا ہے۔ جہاں عہدِ رسالتمآبؐ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین تھے۔ یہ لوگ حضور کو صادق و امین تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی محفلوں میں بیٹھتے' آپ سے قرآن سنتے لیکن اس سے ذرہ بھر رہنمائی حاصل نہ کرتے تھے۔ مسلمان بھی قرآن کو ضابطۂ حیات تسلیم کرتے ہیں لیکن رہنمائی کے لئے شریعتِ اسلامی وضع کر رکھی ہے۔ اس شریعت کی کیفیت یہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ مفاد پرست طبقے کے کذب و افتراء پر مشتمل ہے اور جو صرف اسی طبقے کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ یہ اس شریعت کا کمال ہے کہ آج اسلامی معاشرہ بھی شدید طبقاتی کشمکش کا شکار ہے۔ امیر و غریب میں ناقابل عبور بُعد پایا جاتا ہے۔ امیر نسل در نسل امیر رہتا ہے اور مزدور نسل در نسل مزدور! اور پھر یہ بھی تو اسی شریعت کا کمال ہے کہ ایک سرمایہ دار سینکڑوں مزدوروں کے

خون پسینے کی کمائی کو اپنے سرمایہ کے زور پر اُچک لیتا ہے اور پھر اس دولت کو اپنے لئے رحمتِ خداوندی گردانتا ہے۔ یقیناً یہ قرآن کے علمبرداروں کا شیوہ نہیں ہو سکتا! قرآن ان تمام امتیازات کو مٹاتا ہے جو انسان اور انسان میں تفریق کا باعث بنیں۔ قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ یہ ایک ایسا بھائی چارہ قائم کرتا ہے جو تمام وسائلِ ارض و سماء خرچ کرنے سے بھی قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ذرا اس تاریخی منظر کو سامنے لایئے کہ میدان جنگ میں 6 صحابی زخمی پڑے ہیں۔ پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔ اور پانی کا صرف ایک گلاس ہے! لیکن اسے کوئی بھی اپنے لب تک نہیں لے جاتا۔ یہ سوچ کر کہ مجھ سے کہیں زیادہ میرے ساتھی کو اس کی ضرورت ہے۔ یہ پانی جسے بھی پیش کیا جاتا ہے' لوٹا دیا جاتا ہے تاآنکہ سب کے سب جامِ شہادت نوش کر لیتے ہیں۔

آج جب ہم دیکھتے ہیں کہ عاشقانِ رسولؐ اور ناموسِ رسالت کے محافظوں نے فساد اور خون ریزی برپا کر رکھی ہے۔ بھائی بھائی کو مار رہا ہے' تو عقل دنگ رہ جاتی ہے' کہ یہ کیسے لوگ ہیں' یہ حضورؐ کی کس سنّت کی پیروی کر رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں لوگ اپنے آپ کو مسجدوں میں بھی محفوظ نہیں پاتے۔ یہ حضور رحمتہ العالمین کے امتی تو کجا عام انسان کہلانے کے مستحق بھی نہیں ہیں۔

بہرحال' ہم ذکر کر رہے تھے کہ مسلمان' اسلام دشمن قوتوں کی گہری سازش کا شکار ہو کر قرآنِ کریم کی رہنمائی سے محروم ہو گئے اور حالت یہ ہو گئی کہ آج اگر کوئی عالم یا محقق قرآنِ کریم کا رخ کرتا ہے تو وہی سب سے بڑا اسلام دشمن ٹھہرتا ہے۔ پرویزؒ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب ہر بات کو قرآنِ کریم کی کسوٹی پر پرکھا اور اس طرح جسے خالص پایا اسے وجۂ تسکینِ قلب بنایا۔ آپ فرماتے ہیں:

> "میرا ایمان ہے' اور میں اس ایمان کے سہارے زندہ ہوں کہ اگر آج بھی قرآن سے ان تُو بَرتو پردوں کو الگ کر دیا جائے جو ہماری عاقبت نااندیشیوں اور غلط عقیدتمندیوں نے اس ذاتِ اقدس و اطہر کی طرف منسوب کر رکھے ہیں' تو اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت اب بھی زندگی کی اس متوازن و ہموار راہ پر لگ سکتی ہے جو اسے سیدھے شادابیوں اور کامرانیوں کی جنت کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا مقصود انسانیت سازی ہے۔ جس کا مشہود پیکر ذاتِ محمدیؐ ہے۔" (اقتباس از معراج انسانیت ص 29)

"تحریکِ پاکستان کا گمنام سپاہی"

پرویزؒ صاحب کو لوگ مفکرِ قرآن کی حقیقت سے تو خوب جانتے ہیں لیکن جو کردار آپ نے تحریک

پاکستان کے دوران ادا کیا ہے اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس گمنامی کی کئی وجوہات ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی بنیادی وجہ خود پرویزؒ صاحب کی طبیعت کی سادگی تھی۔ آپ ایک انتہائی شریف النفس انسان تھے اور جو کام بھی کیا ہمیشہ صلے اور ستائش کی تمنا سے بلند ہو کر کیا۔ آپ نے تحریکِ پاکستان کی جدوجہد میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ کا اعزاز یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف قائداعظمؒ کی رہنمائی میں براہ راست کام کیا بلکہ ایک معتمد رفیق کار کی حیثیت میں کام کیا۔ قائداعظمؒ کو پرویزؒ صاحب پر اسقدر اعتماد تھا کہ آپ نے ان کے لئے پروٹوکول کی تمام پابندیاں ختم کر دیں اور پرویزؒ صاحب جب چاہتے قائداعظمؒ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ قائداعظمؒ تو تحریک کے ہر محاذ پر مخالفین کا بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے لیکن ایک محاذ ایسا تھا جہاں بوجوہ قائد کی گرفت مضبوط نہ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو بزعمِ خویش اسلام کے علمبردار بن کر قائدؒ کی قدم قدم پر مخالفت کر رہے تھے۔ تحریکِ پاکستان کی جنگ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر لڑی جا رہی تھی اور یہ حضرات جس اسلام کے علمبردار تھے' اس کے مطابق اس نظریے کی کوئی وقعت ہی نہ تھی۔ لہٰذا اس ضمن میں قائداعظمؒ جو دلیل بھی لیکر سامنے آتے یہ لوگ اسے باطل ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے۔ قائداعظمؒ کے نزدیک یہ ایک انتہائی اہم اور نازک معاملہ تھا کیونکہ تحریکِ پاکستان کی تمام تر کامیابی و ناکامی کا انحصار دو قومی نظریہ پر تھا۔ اور قائداعظمؒ کے لشکر میں سوائے علامہ اقبالؒ کے کوئی دوسرا ساتھی ایسا نہیں تھا جو اس ہامانی جنود کے سحر کو توڑ سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبالؒ جب تک زندہ رہے ان کے خلاف بھرپور جنگ لڑی اور ان پر ایسے مارٹر فائر کئے کہ جنہیں یہ آج تک یاد کرتے ہیں۔ اقبالؒ کا ایک ایک شعر ان کے لئے آتشیں کوڑا ثابت ہوتا تھا۔ لیکن علامہؒ کی وفات کے بعد قائداعظمؒ کو اس محاذ کی نگرانی کی سخت تشویش لاحق ہوئی۔ آپ نے' اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد' اسے پرویزؒ صاحب کے سپرد کر دیا*۔ آپ جانتے تھے کہ پرویزؒ قرآن کا طالب علم ہے۔ اور تحریکِ پاکستان کی جنگ جن اصولوں پر لڑی جا رہی تھی ان کے لئے قوت صرف قرآنِ کریم سے حاصل ہو سکتی تھی۔ پرویزؒ صاحب نے اس جنگ کا باقاعدہ آغاز 1938ء میں طلوعِ اسلام کی اشاعت سے کیا۔ آپ نے دو قومی نظریے کے حق میں نہایت مدلل اور مبسوط مقالات تحریر کئے اور مسلمانوں کے لئے ایک الگ مملکت کی اہمیت کو قرآنِ کریم کی روشنی میں ثابت کیا۔ لیکن زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ پرویزؒ کو اس ایثار اور فرض شناسی کا کیا انعام ملا؟ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد موقعہ پرست طبقہ پھپھوندی کی طرح نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کے ہر شعبے پر چھا گیا۔ پرویزؒ اپنے قائدؒ کی طرح ایک اصول پرست انسان تھا اور لہو و لعب کی اس وحشیانہ دوڑ سے الگ رہا۔ گذشتہ پچاس سال کے دوران ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سا شخص ہے جسے قائدؒ یا اقبالؒ سے ذرہ بھر بھی نسبت ہو اور اس کی پذیرائی نہ کی گئی ہو لیکن پرویز کا نام تک لینا گوارا نہیں کیا جاتا۔ انہیں دیدہ دانستہ

* قائداعظمؒ نے پرویزؒ صاحب کا انتخاب علامہ اقبالؒ کے ایماء پر ان کی زندگی ہی میں کر لیا تھا۔ (دولت پرویزؒ۔ آغاز سخن ص 8) ادارہ طلوع اسلام

متاثی کے گڑھے میں پھینکا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ آپ قرآنِ کریم کی تعلیمات خالص انداز میں پیش کرتے تھے۔ بہرحال اس کے باوجود حکومت پنجاب نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل سے سرفراز کیا ہے۔

1903ء

پرویزؒ کی علمی و تحقیقی کاوشوں کی فہرست طول طویل ہے۔ آپ 9 جولائی کو ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے اور 24 فروری 1985ء کو لاہور میں وفات پائی۔ آپ نے لاتعداد موضوعات پر اظہارِ خیال کیا جو کہ آپ کی تحریروں اور تقریروں کی شکل میں محفوظ ہے۔ آپ کی سوچ و فکر کا سرچشمہ قرآنِ کریم تھا۔ یوں تو ہر مسلمان یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی فکر کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے' لیکن پرویزؒ اور ان کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ وہ یہ کہ جب ایک عام مسلمان قرآنِ کریم کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ یا تو شیعہ ہوتا ہے یا سنی ! یا ان دونوں فرقوں کی متعدد شاخوں میں سے کسی ایک کا پیروکار ! یہ تفریق بین المسلمین چونکہ غیر قرآنی ہے لہٰذا' انہیں قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اپنے اپنے فرقے کے مخصوص نظریات و عقائد کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ نتیجتہً" قرآنِ کریم سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ رہنمائی نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کے عقائد و نظریات کی تائید ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر متعہ کے تصور کو لیجئے۔ اگر آپ جاننا چاہیں کہ اس ضمن میں قرآنِ کریم کا کیا ارشاد ہے تو بحیثیت سنی مسلمان کے آپ کو وہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن اگر آپ شیعہ ہیں تو آپ کو بہت کچھ مل جائیگا۔ لہٰذا' جب ایک عام مسلمان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی سوچ و فکر کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے تو اسے قرآن کی بارگاہ سے فریبِ نفس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پرویزؒ صاحب کا انداز بالکل مختلف ہے۔ آپ نے پہلے تمام فرقوں سے قطع تعلق کیا اور پھر خالی الذہن ہو کر قرآن کی طرف آئے۔ وہاں سے جو کچھ ملا اسے من و عن قبول کیا اور بلا آمیزش پیش کیا۔ اس اندازِ فکر کے نتیجے میں قرآن کریم کے کئی ایسے مشکل مقامات کی تعبیرو تشریح ممکن ہوئی جو روایتی تفاسیر میں آج تک نہیں کی جا سکی۔ یہی وہ مقامات ہیں جو پرویزؒ کو دیگر مفسرین سے ممتاز بناتے ہیں۔

قارئینِ کرام ! پرویزؒ قرآنِ کریم کا طالب علم تھا۔ اور اس کتابِ حکیم کا مطالعہ خالص علمی انداز پر کیا۔ انسانی علم کی کیفیت یہ ہے کہ یہ دن بدن نکھرتا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں قرآنِ کریم کا مطالعہ جاری رکھا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ مطلع انسانیت پر نئے ستارے روشن ہوں گے اور ایک دور آئیگا کہ یہ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ پرویزؒ نے نوعِ انسان کے لئے اگر کوئی مفید کام سرانجام دیا ہے تو اسے اس کا پورا پورا اجر مل جائیگا۔ یہ قرآنِ کریم کا بنیادی فلسفہ ہے۔ ہم پرویزؒ کے اس حد تک تو احسا نمند ہیں کہ اس نے ہماری رہنمائی ایک ایسی سمت کی جو توہم پرستیوں سے پاک ہے۔ اس نے ہمیں قانون کی محکمیت کا تصور دیا۔ لیکن پرویزؒ کو ہم اپنے کسی بھی عمل کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتے۔

علماء کو پاکستان کے قیام میں اپنی شکست پندار کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ ان کی تحریک حصول پاکستان کی مخالفتوں کے لئے سدباب کے محاذ کے سربراہ محترم پرویزؒ صاحب تھے اس لئے علماء کرام اس وقت سے آج تک انہیں اپنی اس شکست کا ذمہ دار سمجھتے چلے آرہے ہیں اور یہ ہے اصل وجہ ان کی مخالفت کی۔ گو اس کے اظہار کے لئے انہوں نے بہت سارے لیبل تراش رکھے ہیں۔

ادارہ طلوع اسلام

پرویزؒ نے ہمیں حق کی راہ دکھائی۔ ظلمات سے نکال کر نور کی طرف بلایا۔ شخصیت پرستی کی بجائے اصول پرستی سکھلائی۔ اور اس قابل بنایا کہ ہم اپنے دل و دماغ سے سوچیں اور اپنی راہیں خود تلاش کریں۔ پرویزؒ کی نگاہ بصیرت نے ہمارے دلوں میں امید کی نئی کرنیں جگائیں' ہماری فکر کی ژولیدگی کو رفع کیا اور ہماری سوچ کے خشک سوتوں کو نئی تازگی عطا کی۔ ہم اس قابل ہو گئے کہ ان بوجھوں کو اتار پھینکیں اور ان سلاسل کو کاٹ ڈالیں جو پیشہ ور اور جگادری ملاؤں کی خود ساختہ شریعتوں نے ہم پر مسلط کر رکھی تھیں۔ اس مخلص اور بے باک مردِ مومن کے لئے ہمارے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا ابھرتی ہے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے!

PAMPHLETS پمفلٹس

آرٹ پیپر کور (ART PAPER COVER) سے مزین کتابی سائیز میں' درج ذیل پمفلٹس' بحساب 3 روپے فی پمفلٹس (علاوہ ڈاک خرچ) ادارہ ہذا اور بزمہائے طلوع اسلام کے دفاتر سے دستیاب ہیں۔

قارئین نوٹ فرمالیں۔

ENGLISH

1. Genesis and Ideology of Pakistan.
2. Economics in the Social Structure of Islam.
3. Is Islam a Failure?
4. Islamic Ideology.

اردو

1- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے۔
2- اسلامک آئیڈیالوجی۔
3- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟
4- رحمتہ للعالمینؐ
5- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے۔
6- کیا ہم آزاد ہیں۔

ادارہ کا مقصد و مسلک (تازہ ایڈیشن) خریداران کو مفت فراہم کیا جائیگا۔ چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قائداعظمؒ کا پاکستان

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کیا اس قسم کی بات آپ کے لئے وجہ تعجب نہ ہو گی کہ ایک شخص کسی شے کی تلاش میں برسوں تک مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کے حصول کے لئے اس نے دن رات ایک کر دئے۔ دنیا بھر کی مخالفت مول لی۔ وقت' دولت' توانائی صرف کی۔ بالاخر خدا خدا کر کے' وہ گوہر مقصود ہاتھ آیا تو وہ سوچنے بیٹھ گیا کہ میں نے اس چیز کو مانگا کیوں تھا؟ میں نے اسے حاصل کس مقصد کے لیے کیا ہے؟ اسے کس مصرف میں لایا جائے گا؟

یقیناً یہ کہانی آپ کے لئے وجہ تعجب ہو گی۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ وجہ تعجب اور باعث حیرت یہ حقیقت ہو گی کہ یہ کہانی کسی اور کی نہیں۔ یہ خود ہماری اپنی کہانی ہے۔ ملت پاکستانیہ کی کہانی ہے۔ ہم نے دنیا کے سامنے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا۔ اس مطالبہ کی سخت مخالفت ہوئی۔ ہم نے ان مخالفتوں کا سرتوڑ مقابلہ کیا۔ اس لئے کہ یہ ہماری زندگی کا نصب العین۔ ہماری تمناؤں کا مرکز اور ہماری آرزوؤں کا محور تھا۔ اس کے ساتھ ہماری موت اور زندگی کا سوال وابستہ تھا۔ ہم نے اس کے حصول کے لئے دس برس تک مسلسل جدوجہد کی۔ بالاخر 1947ء میں ہمارا یہ مقصد حاصل ہو گیا۔ پاکستان وجود میں آگیا۔

پاکستان کیوں مانگا تھا؟ لیکن جب یہ وجود میں آگیا تو ہم نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کر دیا کہ ہم نے پاکستان مانگا کیوں تھا؟ اس مطالبہ سے ہمارا مقصد کیا تھا؟ پاکستان سے بالاخر مفہوم کیا ہے؟ اسے کیا کیا جائے؟ اسے کیا بنایا جائے؟ وغیرہ وغیرہ۔ پاکستان کو وجود میں آئے اڑتالیس برس ہو گئے لیکن ہم ملی اعتبار سے ابھی تک متعین نہیں کر سکے کہ ہم نے اسے حاصل کس مقصد کے لئے کیا تھا؟ ہمارے اس ذہنی انتشار کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک طرف سے آواز آتی ہے کہ ہندوؤں کی تنگ نظری نے پاکستان بنوا دیا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ کشادہ دلی سے پیش آتے۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ تو انہیں ہندوستان کی تقسیم کا خیال تک بھی نہ آتا۔

بھانت بھانت کی بولیاں گویا مطالبہ پاکستان کی بنیاد کسی مثبت جذبہ پر نہیں تھی۔ محض ہندوؤں کی تنگ

نظری سے مجبور ہو کر ہم نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آج بھی ہندو یہ وعدہ کر لے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرے گا تو ہم اپنی جداگانہ مملکت کو چھوڑ کر پھر اس کے ساتھ جا ملیں گے (یا للعجب!)

دوسری طرف سے آواز آتی ہے کہ صاحب! یہ تو انگریز کی چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان کو چھوڑ کر جائے تو ایسی شکل میں کہ ہندو اور مسلمان ہمیشہ آپس میں لڑتے رہیں۔ اس لئے اس نے پاکستان کا تصور پیدا کیا اور مسٹر جناح کو آگے بڑھایا۔ گویا مسٹر جناح' انگریز کے اس مقصد کے بروئے کار لانے کے لئے آلہ کار تھے! یہ اس شخص کی نسبت کہا جاتا ہے جس کے متعلق اس کے بدترین دشمنوں تک کو اعتراف تھا کہ "وہ کسی قیمت پر' کسی کے ہاتھ بک نہیں سکتا تھا"۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ آیئے! اس تھوڑے سے وقت کو غنیمت جانیں اور ہم خود قائداعظمؒ سے پوچھیں کہ آپ نے پاکستان کا مطالبہ کیوں کیا تھا؟ آپ الگ مملکت کیوں چاہتے تھے۔ اس مملکت کا تصور آپ کے ذہن میں کیا تھا۔ اسے آپ نے کس مقصد کے لئے حاصل کیا تھا۔ اسے آپ کیا دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا بنانا چاہتے تھے؟ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ قائداعظمؒ کہیں' اس سے بڑی شہادت' اس باب میں' کوئی اور ہو نہیں سکتی۔

پاکستان کب وجود میں آیا تھا؟ 8 مارچ 1944ء کا ذکر ہے۔ قائداعظمؒ نے مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ' میں ایک اہم تقریر کی جس کا چرچا بڑی دیر تک رہا۔ اس میں سوال زیر نظر یہ تھا کہ پاکستان کے تصور سے مطلب کیا ہے۔ اس مطالبہ کی بنیاد کیا ہے۔ اس کی وجہ جواز کیا ہے۔ یہ یکایک افق ذہنی سے کیسے ابھر آیا۔ یہ نظریہ نکل کہاں سے پڑا۔۔۔ یہ تھے وہ سوالات جن کا جواب دینے کے لئے قائداعظم اٹھے تھے۔

قائداعظم کا انداز یہ تھا کہ وہ بات بڑی مختصر کرتے تھے' لیکن وہ ہوتی تھی بڑی جامع۔ صاف' سیدھی' دو ٹوک' اس میں نہ کوئی پیچ و خم ہوتا تھا۔ نہ ابہام یا الجھاؤ۔ انہوں نے مذکورۂ بالا سوالات کا جواب ایک فقرہ میں دیدیا' اور وہ فقرہ ایسا ہے کہ جوں جوں اس پر غور کیجئے نگہ بصیرت وجد میں آجاتی ہے۔ اس سے نہ صرف مطالبہ پاکستان کی بنیاد اور وجہ جواز ہی سامنے آجاتی ہے بلکہ خود اسلام کا ایک بنیادی اصول بھی اس طرح اجاگر ہو جاتا ہے کہ اس سے بہت سے سیاسی عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ

> پاکستان اس دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔

نظریہ قومیت : غور فرمایا آپ نے کہ اس سیدھے سادھے اور مختصر سے جملے میں کتنی بڑی حقیقت کو

بے نقاب کر دیا گیا ہے؟ آج اگر ہندوستان میں کوئی ہندو عیسائی ہو جائے' تو اس کے صرف مذہبی عقیدہ میں تبدیلی آتی ہے۔ اس کی سیاسی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ جس طرح پہلے ہندوستانی قوم کا فرد تھا' اسی طرح' اس تبدیلی مذہب کے بعد بھی' اسی قوم کا فرد رہے گا۔ یا مثلاً انگلستان میں یہودیت کے پیرو بھی بستے ہیں اور عیسائی بھی۔ اگر کوئی یہودی اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو جاتا ہے' تو اس سے اس کی قومیت (NATIONALITY) پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ بدستور انگلستانی رہتا ہے۔ لیکن اسلام کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں جہاں کوئی شخص اسلام لایا ہے' وہ ایک جداگانہ قوم (امت مسلمہ) کا فرد بن جاتا ہے۔ اس سے صرف اس کا مذہب ہی نہیں بدلتا۔ اس کی قومیت بھی بدل جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر' اسلام میں' قومیت کا مدار' نسل' رنگ' زبان یا وطن کا اشتراک نہیں۔ اس کا مدار' دین کا اشتراک ہے۔ جو لوگ دین میں مشترک (مسلمان) ہیں وہ دنیا کے کسی خطے میں بستے ہوں۔ کسی نسل سے متعلق ہوں۔ کوئی زبان بولتے ہوں۔ وہ سب ایک قوم کے افراد ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ ایک ہی ملک میں بستے ہوں اور ایک ہی نسل کیا' بلکہ ایک ہی خاندان سے بھی متعلق کیوں نہ ہوں' اگر وہ دین میں مشترک نہیں (دونوں مسلمان نہیں) تو وہ دو الگ الگ قوموں کے افراد ہیں۔ فارس کا سلمانؓ۔ روم کا صہیبؓ۔ حبشہ کا بلالؓ اور عرب کا عمرؓ۔ نسل' رنگ' زبان' وطن کے اختلاف کے باوجود محض دین کے اشتراک کی بنیاد پر ایک قوم کے افراد تھے' لیکن محمدؐ رسول اللہ' اور حضورؐ کا حقیقی چچا ابولہب--- دو الگ الگ قومیتیں رکھتے تھے--- یہی وہ اسلام کا اصل الاصول تھا جسے علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اور اسی حقیقت کو قائداعظمؒ نے اس چھوٹے سے فقرے میں بیان کر دیا تھا کہ:

پاکستان اس دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔

وہ غیر مسلم جب مسلمان ہوا تو پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی--- اور جب ایک نئی قوم وجود میں آگئی تو اس کے لئے ایک الگ مملکت کی ضرورت بھی مسلم ہو گئی۔ اس طرح پاکستان کی پہلی اینٹ اس دن رکھی گئی جب یہاں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اس کی وجہ نہ ہندو کی تنگ نظری تھی نہ انگریز

کی چال- یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا- یہ مسلمانوں کے دین کا تقاضا تھا- چونکہ دنیا کے لئے یہ نظریہ بالکل نیا اور قومیت کا یہ تصور' مروجہ راستوں سے ہٹا ہوا تھا (اگرچہ اسلام نے اسے چودہ سو سال پہلے پیش کیا تھا--- چودہ سو سال پہلے کیوں؟ یہ تو اس دن پیش کر دیا گیا تھا جب سب سے پہلے نبی کی وساطت سے خدا کی وحی انسانوں تک آئی تھی) اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ اسے بار بار دہرایا جائے اور مختلف گوشوں سے اس کی وضاحت کی جائے- چنانچہ قائداعظمؒ اسے مسلسل دس برس تک دہراتے رہے- انہوں نے 21 مارچ 1944ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا-

مسلمان الگ قوم ہیں : میں نہیں سمجھتا کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ مسلمان بجائے خویش' ہندوؤں سے الگ ایک مستقل قوم ہیں-

مذہب اور دین کا فرق یہ فرق اسی صورت میں سمجھ میں آسکتا تھا جب "مذہب" اور "دین" کا فرق سمجھ میں آجائے- "مذہب" (جسے عام طور پر RELIGION کہہ کر پکارا جاتا ہے)" خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے جسے انسان کی تمدنی' عمرانی' سیاسی' معاشی زندگی سے کچھ واسطہ نہیں- اس "پرائیویٹ تعلق" کو ایک عیسائی اپنے گرجے میں- ایک پارسی اپنے آتشکدہ میں- ایک ہندو اپنے مندر میں (اور انہی لوگوں کے خیال کے مطابق) ایک مسلمان اپنی مسجد میں---- بلکہ یوں کہئے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے کسی کونے میں' یا پہاڑ کے کسی غار میں' اپنے اپنے طور پر قائم کر سکتا ہے- جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو "مذہب" کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے- اس کے بعد یہ لوگ اپنی عملی زندگی میں اپنے اپنے ہاں کی سیاست کے مطابق کام کریں گے- یہ ہے مذہب کا تصور- اس کے برعکس' دین کا تصور یہ ہے کہ یہ خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں- یہ زندگی کا ایک ضابطہ اور نظام حیات ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے- اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم نے 27 نومبر 1945ء کو ایڈورڈز کالج پشاور میں' تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

ہم دونوں قوموں میں صرف "مذہب" کا فرق نہیں- ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے- ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہ نمائی کرتا ہے ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں-

اس سے ظاہر ہے کہ پاکستان کی بنیاد اس دعویٰ پر تھی کہ اسلام ایک "مذہب" نہیں بلکہ "دین" ہے' جسے آج کی اصطلاح میں تمدنی نظام کہنا چاہئے- یہ دین' ایک الگ آزاد مملکت میں ہی بروئے کار آسکتا ہے جہاں اس کے احکام اور اصول' قانون کی شکل میں نافذ کئے جا سکیں-

اس تصور کی مخالفت : (مہاتما) گاندھی کی دور رس نگاہ نے اس "خطرہ" کو بھانپ لیا اور سمجھ لیا کہ جب تک مسلمانوں کے دل سے مذہب اور دین کے اس تصور کو نکال نہ دیا جائے اور انہیں یہ باور نہ کرا دیا جائے کہ اسلام بھی باقی مذاہب کی طرح ایک مذہب ہے اس وقت تک پاکستان کے مقدمہ کو جیتا نہیں جا سکتا۔ اس کے لئے انہوں نے سب سے بہتر طریق کار یہ سوچا کہ ہندوستانی بچوں (ہندوؤں اور مسلمانوں سب کے بچوں) کی تعلیم میں یہ بات داخل کر دی جائے کہ سب مذاہب سچے ہیں۔ رام بھی وہی ہے۔ رحیم بھی وہی۔ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فضیلت نہیں۔ اسلام' ہندو دھرم' عیسائیت وغیرہ سب یکساں ہیں' اس کے لئے انہوں اپنی مشہور تعلیمی اسکیم (ودیا مندر یا واردھا کی اسکیم) جاری کی اور اسے عملاً مدرسوں میں نافذ کرنا چاہا۔ 1

ہندو یہ کچھ کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اس نے یہ کچھ کرنا ہی تھا۔ پاکستان کے مطالبہ سے اس کا وہ خواب پریشاں ہوا جا رہا تھا جس کی رو سے وہ ہندوستان کی مسلم آبادی پر اپنی حکومت مسلط کرنا چاہتا تھا۔ لیکن' آسمان کی آنکھ اس عبرت انگیز تماشا کو حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اس کی اس مخالفت میں' خود مسلمانوں کے اکابرین۔۔ بالخصوص دین کے علمبردار حضرات۔۔۔۔ ان سے بھی آگے آگے تھے۔ چنانچہ "مذہب اور دین" کے اس فرق کو مٹانے اور اسلام کو باقی مذاہب جیسا ایک مذہب ثابت کرنے کے لئے' مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) نے اپنی تفسیر القرآن (ترجمان القرآن) لکھی جس کی جلد اول (تفسیر سورۂ فاتحہ) میں بار بار اس "دعویٰ" کو دہرایا گیا کہ

> عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اسلام کا کہنا ہے کہ اگر ہر مذہب کے پیرو' اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہو جائیں تو میرا منشا پورا ہو جاتا ہے۔

کانگریس نے ان کی اس تفسیر کا ترجمہ مختلف زبانوں میں' لاکھوں کی تعداد میں شائع کرایا۔

ادھر یہ کچھ ہو رہا تھا اور ادھر قائداعظمؒ اپنی اس پکار کو برابر دہرائے جا رہے تھے کہ اسلام' ایک مذہب نہیں' دین ہے۔ چنانچہ جب مارچ 1940ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (لاہور) میں' پاکستان کا ریزولیوشن پیش ہوا' تو انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا:

> میرے لئے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی' اسلام اور ہندومت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں "مذہب" نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ اور اس بناء پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئے ہندو اور مسلمان' مذہب کے ہر معاملے میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ دو الگ

الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصور ملت پر ہیں۔ دو ایسی قوموں کو ایک نظام سلطنت میں یکجا کر کے دنیا کی باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کر دے گا جو اس ملک کی حکومت کے لئے وضع کیا گیا ہے 1

ان تصریحات کے ساتھ مطالبہ پاکستان کا ریزولیشن پاس کیا گیا جس سے مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے مطالبہ کو "سیاسی سند" حاصل ہو گئی۔

اسلامی مملکت کے قیام کیلئے : اس کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ جب یہ خطہ زمین حاصل ہو جائے گا تو اس میں مملکت کس انداز کی قائم ہو گی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پاکستان کا تصور' علامہ اقبالؒ نے اپنے الہ آباد (مسلم لیگ) کے خطبہ میں 1930ء میں پیش کیا تھا اس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ۔

> مسلم مملکت کا میرا یہ مطالبہ' ہندوستان اور اسلام دونوں کے لئے منفعت بخش ہو گا۔ ہندوستان کو اس سے اس حقیقی امن اور سلامتی کی ضمانت مل جائے گی جو قوتوں کے توازن کا فطری نتیجہ ہو گی۔ اور اسلام کو اس سے ایسا موقعہ میسر آجائے گا جس سے یہ اس ٹھپہ کو مٹا سکے جو عرب (ملوکیت) نے اس پر زبردستی لگا رکھا ہے۔ اور یہ اس قابل ہو سکے گا کہ یہ اپنے قوانین' تعلیم' اور ثقافت کو پھر سے زندگی اور حرکت عطا کر سکے۔ اور انہیں عصر حاضر کی روح کے قریب تر آنے کے قابل بنا سکے۔

اسلام خالص : براوران گرامی قدر! وقت نہیں ورنہ میں وضاحت سے بتاتا کہ علامہ اقبال نے جو یہ فرمایا ہے کہ پاکستان کی اسلامی مملکت میں' اسلام کو موقع میسر آجائے گا کہ یہ اس ٹھپے کو مٹا سکے جو عرب ملوکیت نے اس پر زبردستی لگا رکھا ہے' تو اس کا مطلب کیا ہے۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہے جس کی طرف وہ چند لفظوں میں اشارہ کر گئے ہیں۔ میں اس وقت صرف اتنا کہہ کر اپنے موضوع کی طرف آجانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں جو اسلام اس وقت بالعموم مروج ہے وہ بحیثیت مجموعی' ہمارے دور ملوکیت کا پیدا کردہ ہے۔ علامہ اقبالؒ یہ چاہتے تھے کہ اگر پاکستان کا خطہ زمین حاصل ہو جائے تو اس میں' اس حقیقی اسلام کو پھر سے عملاً متشکل کیا جائے جو عہد محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ میں وجہ تابانی عالم تھا۔ اس طرح اسلام سے وہ ٹھپہ مٹ سکے گا جو اس پر عرب حکومت نے صدیوں سے لگا رکھا ہے۔ یعنی پاکستان ایک اسلامی مملکت ہو گا اور اس میں اسلام اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں رائج ہو گا۔

علامہ اقبالؒ کے یہی وہ بلند تصورات تھے جن کی بنا پر قائداعظمؒ نے (9 دسمبر 1944ء کو) یوم اقبال کی تقریب پر انہیں ان گراں قدر الفاظ میں یاد فرمایا۔

علامہ اقبالؒ اگرچہ ایک عظیم شاعر اور فلسفی تھے لیکن وہ عملی سیاست دان بھی کم پائے کے نہ تھے۔ وہ اسلامی اصولوں پر ایمان کامل اور یقین محکم کی بنیاد پر' ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو ہندوستان سے الگ کر کے ایک اسلامی مملکت متشکل کی جا سکتی ہے۔ 1

یعنی پاکستان سے مقصود وہ خطہ زمین تھا جس میں اسلامی مملکت قائم کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے (مارچ 1944ء میں) پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

پاکستان کے تصور کو جو مسلمانوں کے لئے اب ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے' مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کی حفاظت' نجات' اور تقدیر کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اس سے یہ آواز اقصائے عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مسلم مملکت بھی ہے جو اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ قائداعظم کے ذہن میں یہ تصور موجود تھا کہ پاکستان' مسلمانوں کی دوسری مملکتوں جیسی ملکت نہیں ہو گی۔ یہ وہ مملکت ہو گی جو اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرے گی۔

اسلامی قوانین انہوں نے (21 نومبر 1945ء کو) فرنٹیئر مسلم لیگ (پشاور) کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

مسلمان' پاکستان کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطہ حیات۔ ثقافتی نشوونما۔ روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

جون 1945ء میں انہوں نے فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں فرمایا۔

پاکستان سے مطلب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی حاصل ہی نہیں کرنی۔ ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

میں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ قائداعظمؒ کا انداز یہ تھا کہ وہ کسی بات کو مبہم اور غیر واضح نہیں رہنے دیتے تھے۔ پاکستان کے متعلق ابھی تک ان کے یہ خیالات ہمارے سامنے آسکے ہیں کہ اس سے مقصد اسلامی مملکت تھا جس میں ہم اپنے تصورات کے مطابق اسلامی قوانین کے تابع زندگی بسر کریں۔ "اسلامی مملکت"۔ "اسلامی نظام" حتیٰ کہ "اسلامی قوانین" سے کیا مراد ہے؟ مختلف سمتوں سے اس کا جواب مختلف ملتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا قائداعظمؒ نے ان اصطلاحات کو ایسے ہی استعمال کر دیا تھا یا اپنے مفہوم کو معین طور پر بھی بیان کیا

تھا۔!

انہوں نے حسب عادت متعین طور پر بتا دیا تھا کہ "اسلامی نظام" سے ان کا مقصد کیا ہے؟ اگست 1941ء میں وہ حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے۔ وہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علموں نے' ان سے اس باب میں کچھ سوالات پوچھے۔ ان سوالات کے جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا' اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی نظام سے ان کا متعین مفہوم کیا تھا۔

قرآنی مملکت

سوال _ مذہب و مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب _ "جب میں انگریزی زبان میں مذہب (RELIGION) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق' لامحالہ' میرا ذہن' خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک' مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں۔ نہ ملا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی۔ سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں' بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے"۔

قائداعظمؒ کا اپنے متعلق اعتراف و اعلان یہ ہے کہ "میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے"۔ لیکن اسلامی نظام کی اصل و بنیاد کے متعلق جو کچھ انہوں نے سمجھا اور کہا ہے' ذرا غور کیجئے کہ دینیات میں مہارت کے مدعی کتنے ہیں جو اسلام کے متعلق اس گہرائی تک پہنچ سکے ہیں؟

اشتراکیت

سوال _ اس سلسلے میں اشتراکی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب _ "اشتراکیت۔ بالشویت یا اسی قسم کے دیگر سیاسی اور معاشی مسالک' درحقیقت اسلام اور اس کے سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب نہیں پایا جاتا'

کتنی بڑی حقیقت ہے جسے چند الفاظ میں سمٹا کر رکھ دیا گیا ہے۔ روس کی کمیونزم ہو یا مغرب کی ڈیماکریسی۔ یہ سب اسلامی نظام کے مختلف اجزاء کی بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ جب تک ان میں سے انسانی تصورات کو نکال کر، ان کی جگہ "خدا" شامل نہ کر دیا جائے یہ مسالک نوع انسانی کے لئے کبھی ایسی منفعت بخش نتائج پیدا نہیں کر سکتے جو اسلامی نظام کا خاصہ ہیں"۔

اب اس کے بعد وہ تیسرا سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے، جو میرے نزدیک اس موضوع پر مقطع کا بند ہے۔ غور سے سنئے۔

صرف قرآن کی اطاعت

سوال ۔ اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟

جواب ۔ "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ، قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"۔

آپ اس جواب کے ایک ایک فقرہ پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس حقیقت کو کس قدر غیر مبہم، مختصر لیکن جامع الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی مملکت اسلامی کس طرح بنتی ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم **لا الٰہ الا اللہ** ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے **ان الحکم الا للہ**۔ اس کے سوا کسی اور کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ کسی اور کو اس کا حق ہی حاصل نہیں کہ کسی سے اپنا فیصلہ اور حکم منوائے۔

لیکن خدا تو ایک ان دیکھی، مطلق ذات کا نام ہے۔ اس کی اطاعت کی عملی شکل کیا ہو گی؟ کیسے معلوم کیا جائے گا کہ فلاں معاملہ میں اس کا حکم اور فیصلہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "اس کی اطاعت کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں"۔ اسی لئے اس کا ارشاد ہے کہ "جو کچھ تمہاری طرف خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا کسی اور سرپرست کا اتباع مت کرو" (7:3) بالفاظ دیگر "اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے" اسی کے احکام ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ یہی چیز کفر اور ایمان کا خط امتیاز قرار پاتی ہے وہ ہے "جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ تو یہی لوگ ہیں جنہیں کافر کہا جاتا ہے۔" (5:44)

"مسٹر جناح" پاکستان کی اسلامی مملکت کے متعلق یہ تصور پیش کر رہا تھا اور دین کے علمبردار حضرات یہ کہکر مطالبہ پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے کہ

> جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی' ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔

یعنی جس حکومت کے متعلق یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ اس میں آزادی اور پابندی کے حدود' خدا کے متعین کردہ ہوں گے اس کے خلاف لوگوں کو یہ کہکر بھڑکایا جا رہا تھا کہ وہ "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت" ہو گی۔

ہم نے' برادران عزیز! دیکھ لیا ہے کہ قائداعظم کے نزدیک' مملکت پاکستان کا بنیادی دستور اور ضابطہ' قرآن کریم کو قرار پانا تھا۔ قرآن مجید کی عظمت اور جامعیت قائداعظمؒ کے افق ذہن پر کس طرح چھا رہی تھی' اس کا اندازہ ان کے ان بیانات سے لگایا جا سکتا ہے جن میں وہ وقتاً" فوقتاً" اس حقیقت کو سامنے لاتے رہے مثلاً 1945ء میں قوم کے نام عید کے پیغام میں انہوں نے فرمایا:

قرآن کی جامعیت اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

> "بحر اٹلانٹک سے لے کر گنگا تک' ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے' جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں' بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے۔ جس کے قوانین نوع انسان کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں اور وہ قوانین منشائے خداوندی کے مظہر ہیں"۔

> اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن' مسلمانوں کا ضابطہ اخلاق ہے جو مذہب' معاشرت' تجارت' عدالت' فوج' سول اور فوج داری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روز مرہ کی زندگی کے عام معاملات۔ روح کی نجات کا سوال ہو' یا بدن کی صفائی کا۔ اجتماعی واجبات کا مسئلہ ہو یا انفرادی حقوق کا۔ ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہئے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جانا چاہئے۔

یہ تھی قرآن کریم کی عظمت اور جامعیت جس پر قائداعظمؒ کا ایمان تھا۔

مسلمانوں میں وجہ جامعیت : یہ بھی ظاہر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان' مختلف فرقوں میں بٹے

ہوئے تھے۔ ان میں الگ پارٹیاں بھی تھیں۔ ان میں نسلی اور صوبائی تعصب بھی موجود تھا۔ خود پاکستان کو جن دو بڑے بڑے خطوں پر مشتمل ہونا تھا (یعنی مغربی اور مشرقی پاکستان) ان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔ لسانی اور نسلی نقطہ نگاہ سے بھی ان دونوں خطوں کے رہنے والوں میں کوئی وجہ اشتراک نہ تھی۔ سوال یہ تھا کہ ان تمام وجودہ اختلاف کے باوجود' وہ کون سی قدر مشترک تھی جو ان باہمدگر متضاد عناصر کو ایک نقطہ پر جمع کر سکتی تھی؟ اس کا جواب قائداعظمؒ کے الفاظ میں سنئے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (1943ء_ واقع کراچی) میں پہلے خود ہی یہ سوال اٹھایا کہ

> وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد خود ہی اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا کہ

> وہ بندھن۔ وہ رشتہ۔ وہ چٹان۔ وہ لنگر۔ خدا کی کتاب عظیم' قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین محکم ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے' ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا۔ ایک رسولؐ۔ ایک کتاب۔ ایک امت۔ 1

بکھرے ہوئے مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنے کا یہ وہ طریق تھا جسے خود خدا نے تجویز کیا تھا جب کہا تھا کہ " تم سب مل کر خدا کے اس سررشتہ کو محکم طور پر تھام لو۔ اور تفرقہ پیدا نہ کرو" (3:112) قرآن پر ایمان لانے سے' دنیا کے مختلف انسان' ایک قوم بنتے ہیں اور اس کے ساتھ وابستہ رہنے سے ان کی وحدت برقرار رہ سکتی ہے۔ اسی کو قائداعظم نے اہل پاکستان کے لئے وجہ جامعیت قرار دیا تھا۔

حصول پاکستان کے بعد : یہ کچھ قائداعظم نے حصول پاکستان سے پہلے کہا تھا۔ بعض گوشوں سے اب یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ پاکستان سے پہلے تو بے شک قائداعظم نے یہی کچھ کہا تھا لیکن حصول پاکستان کے بعد' انہوں نے اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لی تھی۔

نہ صرف یہ کہ یہ دعویٰ واقعات کے خلاف ہے' جس شخص کو قائداعظم کی طبیعت اور کردار سے ذرا سی بھی واقفیت ہے وہ بلا توقف کہہ دے گا کہ "**ھذا بھتان عظیم**"_ حصول پاکستان کے بعد انہوں نے اکتوبر 1947ء میں' خالق دنیا ہال (کراچی) میں حکومت کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

> پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے' اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثانیہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا' بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ

ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں۔

"اسلام کے عدل عمرانی کے اصول" کیا ہیں' اس کی تشریح ذرا آگے چل کر سامنے آئیگی۔ اس مقام پر میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جن اسلامی اصولوں کا اعلان' قائداعظم تحریک پاکستان کے دوران میں کیا کرتے تھے' انہی کا اعادہ وہ حصول پاکستان کے بعد بھی کرتے رہے تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں نے جس قدر مسلمانوں کا کشت و خون کیا وہ تاریخ کی نہایت عبرت انگیز خونی داستان ہے۔ اس وقت حالات بڑے نازک تھے۔ جن کی وجہ سے مسلمان بہت مضطرب و پریشان تھے۔ ان حالات میں قائداعظمؒ نے 30 اکتوبر 1947ء کو یونیورسٹی سٹیڈیم (لاہور) میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

اگر ہم نے ان حالات میں' قرآن سے راہ نمائی لی تو ہم' ہندوؤں کی سازش کے علی الرغم کامیاب ہو کر رہیں گے۔ وہ ایسے نامساعد حالات میں بھی' قرآن ہی سے راہ نمائی حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

دستور پاکستان : تشکیل پاکستان کے بعد سب سے اہم مسئلہ دستور پاکستان کی تدوین کا تھا۔ ساری دنیا کی نظریں پاکستان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ نوزائد مملکت جو اسلام کے از سر نو احیاء کا دعویٰ لے کر وجود میں آئی ہے۔ اپنے لئے دستور کس انداز کا مرتب کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں' قائداعظمؒ نے فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براڈ کاسٹ کیا جس میں کہا کہ

پاکستان کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیسی ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار' جمہوری انداز کا آئین ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل اور دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں' ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔

تھیا کریسی نہیں ہو گی : کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) "خدائی مشن" کو پورا کریں۔

اب آپ نے سمجھ لیا عزیزان من ! کہ ہمارے مذہبی پیشوا تحریک پاکستان کے خلاف کیوں تھے اور وہ کیوں "

مسٹر جناح" کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کرتے تھے؟ یہ قوم کی انتہائی بدقسمتی تھی کہ قائداعظمؒ کی عمر نے ایفا نہ کیا اور انہیں اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ دستور پاکستان کو مرتب کر سکتے' ورنہ یہاں چودہ پندرہ سال سے مذہب کے نام پر جو انتشار پیدا کیا جا رہا ہے' ملک اس سے بچ جاتا' اور اس وقت تک ہماری کشتی ملت کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہوتی--- بہرحال یہ ایک الگ داستان ہے جو ہمارے آج کے موضوع سے ہٹی ہوئی ہے۔

اسلام کا عدل عمرانی : اب اسلام کے عدل عمرانی کے ان اصولوں کو دیکھئے جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اسلام کا منتہی یہ ہے کہ ایک فرد کی تمام مضمر صلاحیتوں کی اس طرح نشوونما ہو جائے کہ وہ' اس دنیا میں اور اس کے بعد حیات اخروی میں' زندگی کے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ سب سے پہلے' افراد کو' زندگی کی بنیادی ضروریات (خوراک_ لباس۔ مکان۔ وغیرہ) کی طرف سے بے فکر کر دیتا ہے' تاکہ وہ اطمینان سے' بلند مقاصد انسانیت کے حصول کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ اس کے لئے اسلامی نظام مملکت ' تمام افراد مملکت کو اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ "ہم خدا کی طرف سے تمہاری اور تمہاری اولاد کی ضروریات زندگی کا ذمہ لیتے ہیں"۔

اس کا نام اسلام کا عدل عمرانی' ہے۔ علامہ اقبالؒ نے 1937ء میں قائداعظمؒ کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ۔

> سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہے۔ لیگ کا مستقبل اس سوال کے حل پر موقوف ہے اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک بے تعلق رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے اس آئین کو دور حاضر کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان پرورش ضرور مل جاتا ہے۔ اگر ہندوؤں نے سوشل ڈیماکریسی کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندو مت کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن اسلام کے لئے سوشل ڈیماکریسی کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے نہ ٹکرائے' اسلام میں کسی تبدیلی کے مترادف نہیں ہو گا' بلکہ اس سے مفہوم یہ ہو گا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا کہ یہ شروع میں تھا۔

تشکیل پاکستان کے بعد جب مملکت نے اپنا (سٹیٹ) بینک کھولا تو' جولائی 1948ء میں اس کے افتتاح کی تقریب' قائداعظمؒ کے ہاتھوں سرانجام پائی تھی۔ اس موقع پر انہوں نے جو تقریر فرمائی (اور میرا خیال ہے کہ یہ

ان کی زندگی کی آخری تقریر تھی) اس میں کہا کہ۔

ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوش حالی اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس مقصد کا حصول' مغرب کے اقتصادی نظام کو اختیار کرنے سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہئے اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہئے جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برا ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے' اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچا لے گا اور نوع انسان کی بہبود و مسرت اور خوش حالی کا ضامن ہو سکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا۔

لیکن ظاہر ہے کہ جاگیرداری۔ زمینداری اور سرمایہ کی موجودگی میں' اسلام کا یہ معاشی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ تحریک پاکستان کے دوران' ملک کے بڑے بڑے زمیندار اور سرمایہ دار مسلم لیگ کے ساتھ تھے لیکن قائداعظمؒ انہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ حصول پاکستان کے بعد ان کی پوزیشن کیا ہو گی۔ انہوں نے تشکیل پاکستان سے بہت پہلے 1943ء میں' آل انڈیا مسلم لیگ کے دہلی کے سیشن میں' برملا اعلان کیا کہ۔

زمینداری اور سرمایہ داری : اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ' وہ ایک ایسے فتنہ انگیز' ابلیسی نظام کی رو سے' جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے..... میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں' خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے ! اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا ! اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

مملکت پاکستان کا نقشہ : برادران عزیز ! یہ تھا مختصر الفاظ میں' قائداعظمؒ کے تصور کی رو سے پاکستان کا نقشہ۔ یعنی۔

(1) ایک ایسی مملکت جس میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود قرآن کریم کی رو سے متعین ہوں۔

(2) جس میں کوئی قانون ایسا نہ ہو جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔

(3) جس میں تھیاکریسی۔ یعنی مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کا کوئی سوال نہ ہو۔
(4) جس میں کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے۔
(5) اور جس میں سرمایہ داری ور زمینداری کے غیر اسلامی نظام کو ختم کر دیا جائے۔
(6) جس میں نہ مغرب کی بے لگام جمہوریت راہ پا سکے۔ نہ روس کی اشتراکیت۔ جس میں نظام سیاست و معیشت بہرحال حدود اللہ کے تابع رہے۔

یہ تھا وہ مقصد' جس کے لئے قائداعظمؒ نے پاکستان کے لئے انگریز۔ ہندو اور خود مسلمانوں کے علمائے کرام کے خلاف چو مکھی لڑائی لڑی تھی۔ ہماری بدبختی یہی نہیں کہ ہم اس وقت تک' پاکستان کو ان تصورات کے مطابق متشکل نہیں کر سکے۔ اس سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ خود یہ تصورات ہی رفتہ رفتہ قوم کی نظروں سے اوجھل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ابھی' یہاں وہاں' ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ جنہیں قائداعظمؒ کے ساتھ کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جنہوں نے' ان کے ان ارشادات و پیغامات کو اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے پڑھا۔ لیکن یہ لوگ آہستہ آہستہ' اٹھتے چلے جائیں گے۔ ان کے بعد' ہماری آنے والی نسلوں کو اتنا بتانے والا بھی کوئی نہیں ہو گا کہ پاکستان کیوں مانگا گیا تھا اور اس سے مقصود و مفہوم کیا تھا؟ کس قدر سنگین ہے ہمارا یہ جرم کہ ہم نے آج تک نہ تحریک پاکستان کی کوئی ایسی مستند تاریخ مرتب کی ہے جس میں یہ مقاصد ابھر کر سامنے آجائیں اور نہ ہی قائداعظم کی کوئی ایسی سوانح عمری مدون کی ہے جو ان کے ان تصورات کی آئینہ دار ہو۔

پھر یہی نہیں کہ ہم نے اپنے اس فریضے کی سرانجام دہی سے مجرمانہ تغافل برتا۔ اس سے کہیں زیادہ تاسف انگیز اور جگر خراش یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اس نقصان عظیم کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ہمیں اس کا احساس دلانے کے لئے باہر کے لوگ آتے ہیں جو آکر ہم سے کہتے ہیں کہ

> میں نے 20 سال پہلے' پاکستان کی حمایت میں قلم اٹھایا اور ایک دنیا میری مخالف ہوئی۔ لیکن میں نے پاکستان کی حمایت میں جو کچھ لکھا تھا اس کی صداقت پر مجھے اس لئے یقین تھا کہ میں جناح صاحب کو جانتا تھا۔
>
> اور آج اگر پاکستان کی نئی نسل کے دل میں پاکستان کی محبت کم ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسل جناح سے واقف نہیں۔ (بیورلے نکلسن کا ایک حالیہ بیان)

اور اپنی نئی نسل کو جناح سے ناواقف رکھنے کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔۔۔۔ اور اس کی سزا بھی بھگت رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مذہبی باتیں

منظور احمد- ناروے

کسی سیانے بزرگ نے کیا پتے کی بات کہی کہ- "مذہب پر بات کرنا گناہ ہے" وہ یقیناً مذہبی اور غیر مذہبی باتوں کا فرق جانتے ہونگے ورنہ قرآن و دین پر دسترس رکھے بغیر وہ اتنی بڑی اور پھر عقل و شعور کی بات کیسے کر سکتے تھے- مذہب کیلئے تو بی بی عقل غیر محرم ہے-

اور اگر یہ بات کسی سیانے بزرگ نے نہیں کہی' محض روایت ہے' تو پھر بلاشبہ کسی خوفزدہ جاہل نے کی ہے- دین اور مذہب کا فرق جانے بغیر- اگر مذہب سے اسکا مطلب قرآن و اسلام تھا تو یقیناً ڈر کے مارے اس نے جان چھڑانے کیلئے کہہ دی ہو گی کہ کہیں بزرگی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے- پس گیا ہوگا بے چارہ کسی محفل میں- روایت چل نکلی- اس لیے کہ چلانے والے بھی تو پھر------ ہم سے ہی ہونگے-

اس روایت کے چلنے اور پھیلنے کی تیسری اور آخری وجہ ایک اور بھی ہو سکتی ہے- مگر ہو سکتا ہے اس میں "غیر ملکیوں" کا ہاتھ ہو--- کسی سازش کے تحت ایسا کہا گیا اور پھیلا دیا گیا ہو گا کہ کہیں مسلمان تحقیق کی طرف نہ پلٹ آئیں- اگر یہ واقعی سازش تھی تو پھر بڑی ہی کامیاب سازش تھی- یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر غور و تدبر ہم نہیں کرتے- جو کچھ کرتے ہیں اکثر یہود و نصاریٰ ہی کرتے ہیں- ہم کیا کرتے ہیں؟ قوالیاں سنتے ہیں- قوالیاں بھی ایسی کہ ؎

کھلتا نہیں یہ بھید کہ بزم سخن میں لوگ
طبلے کے ساتھ ہیں کہ سخن ور کیساتھ ہیں؟

آپ نے غور کیا کبھی کے پاکستان اور دنیا جہان کی سیاسیات پر ایک ان پڑھ بھی دھڑا دھڑ بولے چلا جاتا ہے لیکن جونہی کہیں اللہ اور رسول کی بات ہوئی' لگے بغلیں جھانکنے- بعض پڑھے لکھے احباب کو اس لمحے اچانک بڑے ضروری کام یاد آجاتے ہیں اور وہ اٹھنے ہی میں عافیت پاتے ہیں- ویسے بھی ان عاجزوں کا اتنا قصور نہیں کہ مذہب ہے بھی بڑا پیچیدہ موضوع' اوپر سے انتہائی جذباتی کہ عقائد کا تعلق عقل و شعور سے نہیں جذبات سے ہوتا ہے اور جذبات کے خلاف چلنا- کار ہر دیوانے نیست-

مذہبی باتیں' ظاہر ہے مذہبی اصطلاحات کے ہی اردگرد گھومتی ہیں اور یہ اصطلاحات بڑی نرالی ہوا کرتی ہیں- 92ء کی بات ہے' محترم جناب عبداللہ ثانی صاحب بزم اوسلو کی دعوت پر یہاں اوسلو ایک ماہ کیلئے تشریف لائے- بڑی دبنگ قسم کی شخصیت ہیں اور یہی ان کی اسم صفت معرفہ ہے- آپکو یاد ہو گا کہ یہ انہی کے فرزند ارجمند ہیں جنہیں سرحد کے لوگ مولانا ہٹلر یا مولانا عرب کے نام سے اب بھی یاد رکھے ہوئے ہیں- گویا ان کے والد کٹر عربی اور یہ صاحب کٹر پٹھان ہیں- سونے پہ سہاگے کے مصداق- بہت کم لوگ جانتے ہونگے کہ ان کے والد مرحوم کو مولانا عرب اس لئے کہتے تھے کہ انکی ساری ابتدائی عمر سعودی عرب میں گزری تھی اور انکی مادری زبان عربی تھی- ثانی صاحب صوابی کے پٹھان ہیں اور حال پشاور مقیم- یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی کہ اوسلو میں قیام کے دوران ثانی صاحب میرے ہاں ہی ٹھہرے- (یہاں غریب خانے نہیں ہوا کرتے- آسودہ کدے نہ سہی دولت کدے سبھی ہیں- ہر ایک کو روٹی بمع بوٹی بطور استحقاق as of right ملتی ہے- صاف و شفاف پانی تو درکنار سچے دودھ کی نہریں بہتی ہیں- ملاوٹ زدہ اشیائے خور ونوش کا یہاں تصور تک نہیں- کپڑا اتنا ہے کہ گویا تنگ آچکے ہیں پہن پہن کر ____ مکان سب کے پاس ہے' فٹ پاتھ کے ڈروانے خواب یہاں کہیں نہیں- نارویجن نوجوان نسل کو پتہ ہی نہیں کہ بھکاری کس طرح کے ہوتے ہیں- دوسرے ممالک کی تصاویر سے "صورت" سمجھانا پڑتی ہے- انسان تو درکنار جانوروں تک کا علاج پوری ذمہ داری اور احترام کیساتھ مفت کیا جاتا ہے- رہی بات علم و تدریس کی تو بات بڑھ جائے گی' مختصراً اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہر گھر کی بک شیلف میں اوسطاً 200 کتابیں اس قوم کے علم دوست و باذوق ہونے کا کافی بڑا ثبوت ہے جبکہ ہمارے ہاں کی Wall-Sections میں پڑے ہوئے انتہائی قیمتی pieces decoration اس بات کا ببانگ دہل اعلان ہے کہ ہم فارغ التحصیل ہیں- مزید کتابوں کی بھلا کیا ضرورت؟؟) ثانی صاحب نے میرے ہاں ٹھہرنا پسند کیا- انکا شکر گزار ہوں' لیکن افسوس کہ مجھے ذاتی طور پر انکی خدمت کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا کہ پورا مہینہ باہر ضیافتوں اور علمی و فکری مجلسوں میں گزر گیا- ہاں البتہ ہر صبح سویرے ہم دونوں فلیٹ کی گیلری میں بیٹھ کر چائے کی پیالی اور باد صبا کے روح پرور جھونکوں سے لطف اندوز ہوا کرتے- اس گھنٹے بھر کی دو رکنی محفل کی خصوصی بات یہ تھی کہ ثانی صاحب پوری طرح تازہ دم اور بھرپور ترنگ کی بدولت انتہائی بلندیوں پر ہونے کے باوجود (ناروے قطب شمالی میں واقع ہے----) ہلکے پھلکے انداز میں بڑی دلچسپ مگر فکر انگیز (thought provoking) باتیں سناتے- میری تو مارے ہنسی کے حالت غیر ہو جاتی- کیا دن تھے وہ اور کیا لمحے-

وہی تھی زندگی جو تیری محفل میں گزار آئے

ان مذہبی اصطلاحات کے ضمن میں ایک دن میں نے پل صراط کے بارے میں جاننا چاہا تو کہنے لگے کہ :

"یہ اصطلاح' استعمال کیا کرو- ایک تو چونکہ بڑی خوفناک ہے لہٰذا انسانی نفسیات کیلئے مہلک- اور دوسرے یہ کہ یہ ایک مذہبی اصطلاح ہے- میں یہاں نہ مذہبی اصطلاحات استعمال کرنے آیا ہوں نہ ہی سننے- میں کم از کم یہ گھنٹہ اور ان محفلوں کی فضا مکدر نہیں کرنا چاہتا- میں بہرحال تمہارے اس دہشت وحشت انگیز پل سے گزر آیا ہوں- اب سستا لینے دو- ویسے لگتا ہے خدا interested ہی نہیں ہے ہمیں جنت دینے میں' ورنہ اس جہان کرب والم میں ایک عمر گزارنے کے بعد بھی بیچ میں پل کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی اور پل بھی پھر اتنا طویل اور نازک کہ قربانی کے گائے بیل تو درکنار' مینڈھے یا دنبے اسے ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی توڑ ڈالیں گے------ ویسے بھی یہ رسک risk لینے کی کیا ضرورت ہے- وہاں کونسا ناچ گانا ہو رہا ہے؟"

کہنے لگے کہ "پل صراط کی اصطلاح و ترکیب ہی غلط ہے کہ اول تو عربی میں حرف 'پ' کا کوئی وجود ہی نہیں (مڈل ایسٹ کے لوگ عموماً اور سعودی عرب کے شیوخ خصوصاً پاکستان کو باکستان بلاتے ہیں) دوم صراط کا مطلب 'سیدھا' نہیں بلکہ راستہ ہے لہٰذا "پل راستہ" کوئی ترکیب نہ ہوئی- علامہ پرویز صاحب مرحوم اسی لیے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ الفاظ و اصطلاحات کے ناجائز اور غلط استعمال سے پہلے اگر ان کے مفاہیم و معانی متعین کر لئے جائیں تو آدھا مسئلہ یہیں حل ہو جاتا ہے-"

ثانی صاحب سے اس ایک مہینے میں بہت کچھ سیکھا- گاہے گاہے پیش خدمت کرتا رہونگا- آج کی محفل میں صرف اتنا ہی عرض کرونگا کہ علمی و فکری نقاط کے علاوہ انہوں نے ہمیں اخلاقیات و آداب کی بھی عملی تعلیم دی- بیسیوں ضیافتوں میں میں نے دیکھا کہ جہاں دیگر لذیذ کھانوں کے علاوہ ہر طرح کا گوشت وافر مقدار میں دعوت نظارہ و کفارہ دیتا رہا' یہ لحم دشمن پٹھان' حرام ہے جو لٹس سے مس ہوا ہو؟ انہوں نے ہمیشہ ضرورت سے بھی کم کھایا اور میں آج تک حیران ہوں- یہ صفت کم از کم مجھ میں نہیں------

انہی دنوں ہم چند دوستوں نے مزید اوپر' شمالی جانب سفر و سیر کا ارادہ کیا کہ ناروے بہت ہی خوبصورت اور دلکش ملک ہے- رفیق اعلیٰ و ادنیٰ کے باہمی تعاون کا ایک قابل دید ثبوت و نمونہ- یعنی اللہ (رفیق اعلیٰ) نے وافر مسالہ فراہم کیا اور انسان (رفیق ادنیٰ) نے نوک پلک سنواری- یہ ملک دنیا میں آبشاروں کا ملک (Land of Water Falls) یا کھاڑیوں کا ملک (Land of Fiords) کے نام سے مشہور ہے اور درست مشہور ہے- ثانی صاحب نے خوب enjoy کیا- کہتے تھے : "فطرت کیساتھ دست درازی اور دستکاری کا فرق اب سمجھ میں آیا ہے- پاکستان اور ناروے دیکھ کر-" سفر پر جانے کیلئے خصوصی جوتوں کی ضرورت تھی- میں نے اپنے جوتے انہیں نکال دیئے جو انہوں نے پہن لیے- تین دن تک استعمال کیے- گھر آکر جب اتارے تو پنجوں میں سوجن اور درد ناقابل برداشت تھا- یہ کیسے؟ کہنے لگے کہ جوتے کافی چھوٹے اور تنگ تھے- میں نے پوچھا کہ آپ نے ہمیں بتایا کیوں نہیں؟ جواب ان کے مسکراتے چہرے سے صاف عیاں تھا جیسے کہہ رہے

ہوں : "تمہیں بتا دیتا تو تمہارے سیر و سفر کا مزہ خراب ہو جاتا اور محض چند دنوں کیلئے بزم کو میرے بارہ سو روپے کے جوتے خریدنے پڑ جاتے۔" ایک دن ایک سہانی صبح' ثانی صاحب حسب ہی سہانے موڈ میں تھے کہ اچانک خاموش اور سنجیدہ ہو گئے۔ آہ بھری' جیسے جگر میں درد اٹھا ہو۔ "ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر قسمت کا مارا کوئی دانشور جب کوئی نئی بات (جو یقیناً غیر مانوس کہہ دے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کفر و الحاد کی ایک نہ ختم ہونے والی بوچھاڑ شروع ہو جاتی پاگل کبھی کمیونسٹ کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی لیے تو ہمارے معاشرے میں دانش ور یا مفکر پیدا ہونے ہیں اور طبیب حاذق کی طرح سارے نسخے اپنے ساتھ ہی لیے گزر جاتے ہیں۔ کون ہے ان کے تھوڑی دیر کیلئے پھر خاموش ہو گئے۔ باہر خوشگوار فضا کی طرف نظر اٹھائی تو فوراً ہی ظرافت ابھر آئی : "ہمارے ہاں مفکر کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ تمہیں یہ سمجھانے کیلئے اپنے گاؤں کا ایک واقعہ سناتا کی پیالی نیچے رکھ دو ورنہ اسے توڑ دو گے!" گویا ہوئے : "ہمارے گاؤں میں ایک دفعہ نصیبوں گھس آیا۔ ابھی ایک ہی چیز اٹھائی ہو گی کہ بے چارہ فوراً دیہاتیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ کسی نے تھا۔ سب نے مل کر اسے دھڑا دھڑ زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ کیا بوڑھے کیا جوان۔ گویا بھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس بدبخت چور کا برا حال ہو رہا تھا کہ اچانک اس نے چیخ چیخ کر کہا کہ مجھے بے شک ختم کر دو لیکن صرف دو فقرے کہنے کی اجازت دے دو۔ ایک سیانے بزرگ آ ہی گیا اور اس نے لوگوں کو مارنے سے (وقفہ کے طور پر) روک دیا۔ چور نے بڑی مشکل سے کو بحال کیا۔ ہوش سنبھالا' کپڑے جھاڑے اور کہا : "تم لوگوں نے پہلے کبھی کوئی چور نہیں دیکھا دوسرا فقرہ یہ کہ "میں بھی بڑا بے غیرت ہوں کہ چوری کرنے کو مجھے تم ہی لوگوں کا گاؤں ملا تھا"

نوٹ : پٹھانوں اور پنجابیوں سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا چور کے دو فقرے اپنی اپنی مادری پڑھیں۔ تبھی ان کو سمجھ آسکے گی کہ ہمارے معاشروں میں دانش ور بولنے سے کیوں کتراتے ہیں

ثانی صاحب۔ یہاں کے ریلوے (Railways) کا انتظام دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں برصغیر میں ریل کی پٹڑیاں بھی انگریزوں ہی نے بچھائی ہیں۔ انجن تو وہ ویسے ہی ساتھ لے انگریزوں کے اچھے اور تعمیری کاموں کی ہمیں برملا تعریف کرنی چاہیے۔ تنقید کا تقاضا ہی یہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے ورنہ تنقیص بن جاتی ہے اور ایک مسلمان کو یک طرفہ نقد و نظر چاہیے۔ کہنے لگے اس بات پر تمہیں ایک اور آپ بیتی سناتا ہوں : "ایک دفعہ ایک سکہ بند ضعیف' پاک و ہند کے نامور سیاستدان کی بیمار پرسی کیلئے ان کے گاؤں (گھر) جانا ہوا۔ صحن دارانہ چارپائی پر لیٹے تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ اردگرد دوسرے نامور لوگ بھی تشریف

میں نے سلام کیا۔ نظریں اٹھا کر دیکھا۔ فوراً پہچان گئے کہ میں اکثر ان کے سیاسی و نظریاتی خیالات کے خلاف لکھتا رہا تھا۔ میرے سلام کا جواب دیے بغیر قدرے بلند اور گرجدار آواز سے کہا: "آگئے ہو۔ کیا کیا ہے تم نے اب تک؟" میں بھی نہ رہ سکا اور برجستہ بولا: "آپ نے کیا کیا ہے آج تک؟"

دھڑلے سے جواب دیا: "میں نے انگریزوں کو بھگایا ہے"۔ میں پھر نہ رہ سکا: "یہ کوئی اچھا کام کیا تھا آپ نے؟ "جواباً" ایک گہری خاموشی ان کے چہرے پر جم گئی---- جیسے کہہ رہے ہوں" اسی پہلی اور آخری غلطی کا تو خمیازہ---- اب تک ____ بھگت رہا ہوں----

دعوت عام

بتقریب جشن نزول قرآن

جناح ہال۔ سٹی صدر روڈ۔ راولپنڈی

3 بجے بعد دوپہر 17 مارچ 1995ء

موضوع

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

(ویڈیو پروگرام)

زیر اہتمام بزم طلوع اسلام راولپنڈی

PAYING GUEST

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ، حسین قیصرانی صاحب کو لاہور میں ایسے علمی گھرانے کی تلاش ہے جسمیں وہ بطور PAYING GUEST رہ سکیں۔

رابطہ : فون نمبر 879246

کسی ایک کتاب سے نقل کرنے کو سرقہ اور جت ساری کتابوں سے نقل کرنے کو تحقیق کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

(1) دولت خداداد' اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رقص ابلیس

نماز تراویح کے دوران کراچی کی ایک مسجد میں نمازیوں پر فائرنگ کے اندوہناک واقعے کے بعد اگلی صبح کے اخبارات میں یہ پڑھ کر کس مسلمان کا دل لرز نہ اٹھا ہو گا کہ اگلی صبح مسجد میں نمازیوں کی تعداد معمول سے بہت کم تھی۔ خاص طور پر ماؤں نے بچوں کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ اسلام کی خاطر جان قربان کر دینے والے لاکھوں شہیدوں کے نام پر بنائے جانے والے ملک میں اس سے بڑھ کر اور کیا قیامت ٹوٹے گی کہ لوگ اپنے بچوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے پر مجبور ہو جائیں۔ کاش ہمارے حاکم کبھی خدا کے حضور جوابدہی کے احساس سے سرشار ہو کر کراچی میں جاری رقص ابلیس کے خاتمے کا سوچ سکیں۔ کاش وہ یہ سمجھ سکیں کہ اگر خدا نخواستہ مسجدیں ہی ویران ہو گئیں تو اور کیا آباد رہ جائے گا۔ (بحوالہ جنگ کراچی 95-2-7)

(2) قابل تقلید

مادہ پرستی کے اس دور میں اب بھی ایسے بے شمار لوگ ہیں جو تکریم آدمیت کے لئے بے شمار دکھ اٹھاتے ہیں اور عظمت انسانی کے لئے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جو اپنی ضوفشانی سے اس اندھیر نگری کو جگمگا دیتے ہیں۔ ناروے میں مقیم اویس احمد چوہدری نامی ایک پاکستانی شہری نے لاہور سے ایک گناہ گار ماں کا گندگی کے ڈھیر پر پھینکا ہوا لخت جگر اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور مشکلات کے طوفان سے گذر کر اسے ناروے لے آئے۔ اپنے تین بچوں کی ماں' موصوف کی بیوی' جو ناروے کی خاتون ہیں اس بچے کی پرورش کر رہی ہیں۔ مسٹر اویس نے اعلان کیا ہے کہ بچے کی ماں جب چاہے بچہ واپس لے سکتی ہے یا بچہ جوان ہو کر اپنی ماں کو ناروے بلا سکے گا۔ پاکستان میں اور پاکستان کے باہر اخبارات میں اس خبر کا خوب خوب چرچا ہوا جس سے عظمت انسانی کے نام پر ایک پاکستانی کا یہ جذبہ پوری دنیا کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن گیا۔ ادارہ طلوع اسلام اویس احمد چوہدری اور انکی نارویجن بیوی کو اس ایثار پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اللہ کرے جوش

جنوں اور زیادہ۔

(3) ناچنے گانے کی کھلی آزادی

نیشنل فلم ایوارڈز کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پنجاب کے گورنر چودھری الطاف حسین نے کہا ہے کہ اب اس ملک میں کوئی گروہ رقص و موسیقی پر پابندی لگانے کے لئے اصرار نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ عوام ایک مدت سے تہذیبی گھٹن کے شکار ہیں انہیں خوشیاں منانے اور ناچنے گانے کی مکمل آزادی دی جائے گی۔ البتہ سینماؤں میں بلیو پرنٹ چلانے والوں اور معاشرے میں فحاشی پھیلانے والوں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

پنجاب کے گورنر نے جس نئی کلچرل پالیسی کا اعلان کیا ہے معلوم نہیں اسے وفاقی حکومت کی تائید بھی حاصل ہے یا نہیں لیکن چونکہ وہ صوبے میں وفاق کے نمائندے ہیں اس لئے عام طور پر یہی خیال کیا جائے گا کہ وہ یہ باتیں اسلام آباد کے ایما پر کہہ رہے ہیں۔ خدا جانے گورنر صاحب کو کس حکیم نے بتایا ہے کہ قوم تہذیبی گھٹن کی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے جس کا علاج یہ ہے اسے سڑکوں پر ناچنے اور گانے کی کھلی آزادی دی جائے۔ چودھری الطاف حسین کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کوئی سیکولر ملک نہیں بلکہ یہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے اور اس کا کلچر وہی رہے گا جس کا فیصلہ چودہ سو سال پہلے کیا جا چکا ہے۔ حکومت بدلنے سے کسی قوم کا کلچر نہیں بدل جاتا اس لئے گورنر صاحب کو اس زعم میں نہیں رہنا چاہئے کہ چونکہ آجکل ان کی پارٹی برسراقتدار ہے اس لئے وہ مسلمانوں کا قومی کلچر تبدیل کر سکتے ہیں۔

اس طرح کی کوششیں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ہو چکی ہیں لیکن بڑے سے بڑا باجبروت حکمران بھی مسلمانوں کا کلچر تبدیل نہیں کر سکا۔ مغل شہنشاہ اکبر نے بھی دین الٰہی ایجاد کر کے مسلمانوں کو اخلاقی آزادی دینے کی کوشش کی تھی لیکن یہ دین الٰہی اب صرف کرم خوردہ کتابوں ہی میں باقی رہ گیا ہے مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے اسے کبھی پسند نہیں کیا۔ کوئی بھی سیکولر حکومت مسلمانوں کا دینی مزاج تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ بات جب غیر مسلم ممالک میں ممکن نہیں تو ایک ایسے ملک میں جس کا وجود ہی اسلام کا مرہون منت ہے' کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ فرانس جیسے سیکولر ملک نے مسلمان طالبات پر جبر کر کے دیکھ لیا۔ انہوں نے سکارف کے بارے میں فرانسیسی حکومت کے احکام ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ ان کی دینی تعلیمات سے ٹکراتے تھے۔ جب ایک غیر مسلم ملک مسلمانوں کا کلچر تبدیل نہیں کر سکا تو پاکستان کا ایک گورنر اسے کیسے تبدیل کر سکتا ہے۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سر پر سے دوپٹہ نہیں ڈھلکنے دیتیں اور وہ ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رکھتی ہیں اس

طرح انہوں نے خود کو اسلامی کلچر میں ڈھال لیا ہے۔ ملک کے محب وطن حلقے حیران ہیں کہ انکے ایک گورنر نے قوم کے عمومی مزاج کے خلاف کس طرح ناچ گانے کو فروغ دینے کا کھلم کھلا اعلان کیا ہے۔ ہم حکومت سے امید رکھتے ہیں کہ وہ گورنر پنجاب کی اس تقریر کا سنجیدگی سے نوٹس لے گی۔

(بشکریہ نوائے وقت 31-01-95)

طلوع اسلام : اللہ اس قوم کے اکابرین کی گھٹن دور فرمائے۔ آمین۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	B-12 حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35٪ رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

یز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)

ئیں فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نئے طوفان

نذیر ناجی

بھارت امریکہ دفاعی معاہدہ ایک بدلے ہوئے ایجنڈے کی نشاندہی کرتا ہے اس معاہدے کے اہم پہلوؤں پر میں پہلے ہی اظہار خیال کر چکا ہوں اس سوال پر تفصیل سے بات نہیں ہو سکی تھی کہ "دفاعی معاہدہ- کس کے خلاف؟" آگے چل کر خدا جانے یہ کیا رخ اختیار کرتا ہے؟ مگر اس کا فوری ٹارگٹ مذہبی انتہا پسندی کو بتایا گیا ہے- یہ ایک سٹریٹجک کور اپ ہے- اصل حقیقت کچھ اور ہے- مغربی مفکرین جن کی اکثریت یہودی ذہن کے زیر اثر ہے کہ سویت بلاک کے انہدام کے بعد' یہ فلسفہ پھیلانے لگے تھے کہ مستقبل کی محاذ آرائی' فوجی بلاکوں کے مابین نہیں دو تہذیبوں کے درمیان ہو گی- مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب" تہذیبوں کے اس "تصادم" میں اسرائیل اور بھارت' مغربی تہذیب کے حلیف ہیں- سچ تو یہ ہے کہ دونوں' اسلامی تہذیب کے حقیقی دشمن ہیں- نیو ورلڈ آرڈر میں' جب امریکہ اور یورپ نے' اسلامی تہذیب کو اپنا ہدف بنایا تو ان دونوں کی بن آئی- بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا- یہ دونوں اب مغربی تہذیب کے نظریاتی ہی نہیں' دفاعی حلیف بھی بن گئے ہیں- یہ ایک نئی صلیبی جنگ ہے' جو جدید دور کے حربوں' طریقوں' ہتھیاروں اور اتحادیوں کے ساتھ' وسیع تر خطے میں' ایک نئے عنوان کے ساتھ ہو گی- مگر مقاصد وہی پرانے ہیں- اس جنگ کے اصل نقشہ ساز وہ متعصب اذہان ہیں جن کی مسلم دشمنی' گہری' شدید اور تاریخی ہے-

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ تاریخی تعصب سے متعفن ان ذہنوں کو امریکہ اور روس کے وسائل اور قوتیں بھی میسر آگئی ہیں- نام نہاد اسلامی دنیا اپنی تہذیبی' علمی اور سائنسی پسماندگی کی وجہ سے' ان دو بڑی قوتوں کو' غیر جانبدار رکھنے میں ناکام رہی' اس میں یہ صلاحیتیں ہی نہیں کہ وہ فکر و تدبر سے' مغرب کے ترقی یافتہ معاشروں کو متاثر کر سکے- جو مولوی حضرات مغربی دنیا میں گئے' انہوں نے اپنے عمل سے مغربی معاشروں کے اندر اسلام دشمنوں کے پروپیگنڈے کو تقویت دی- اپنی تنگ نظری' جدید علوم سے بے خبری' فرقہ وارانہ نفرت اور نامناسب ذاتی کردار کی وجہ سے یہ تاثر عام کیا کہ مسلمان مذہبی انتہا پسند' تہذیب کے مخالف' وحشی' مہذب انسانی جذبات سے عاری' ارفع اخلاقی روایات سے محروم اور غیر مساویانہ اور متشدد جنسی

رویوں کے مالک ہوتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ لندن میں ایک مولوی صاحب کے جنسی سکینڈل کی پورے مغرب میں زبردست تشہیر ہوئی۔ اس بندہ خدا نے اپنی گمراہی کے دفاع میں اسلام کو بری طرح بدنام کیا۔ مسجدوں کے اندر فسادات روز مرہ کی باتیں ہیں۔ کئی جگہ مساجد کو تالے لگانا پڑے۔

آج مغرب جس چیز کو "مذہبی انتہا پسندی" کا نام دے کر مسلم معاشروں کو معاشی غلامی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑنے کے منصوبے بنا رہا ہے' وہ اسلامی فکر و تدبر کے صدیوں پرانے جمود اور انحطاط کی تخلیق ہے۔ اللہ کا یہ دین' جو ایک ان پڑھ بدو کے لئے قابل فہم تھا اور اس کے ذہن و فکر کو جلا بخش کے' اس کا کردار بدل دیتا تھا۔ ان بدوؤں نے مساوات پر مبنی ایسی جمہوری روایات تشکیل دیں' جن میں اجتماعی صلاحیتیں پوری تخلیقی توانائیوں کے ساتھ بروئے عمل آتی ہیں۔ اس دین نے جو مثالی تہذیب پیدا کی اس میں نسلوں' زبانوں' علاقائی روایت و رسوم' رہن سہن کی عادتوں اور ثقافتی تنوع کو اپنے اندر جذب کرنے کی زبردست صلاحیت تھی۔ اس دور میں دائرہ اسلام کے اندر داخل ہونے کے لئے کسی کو اپنی روایات' زبان' تہذیبی شناخت اور طرز بودوباش سے کٹنا نہیں پڑا۔ زندگی کو بہتر' خوبصورت اور ترقی کی طرف لے جانے والی روایات عربوں میں تھیں تو ان کے ساتھ نیا رشتہ اخوت استوار کرنے والوں نے انہیں اپنا لیا اور اگر عربوں کو ان کے اندر نظر آئیں تو عربوں نے انہیں اختیار کر لیا۔ عام آدمی کا یہ دین ملوکیت کے طویل ادوار میں' خواص کے قبضے میں جانے لگا۔ اس کی تشریح و تعبیر حاکمین وقت کے مفادات اور ضرورتوں کے تحت ہونے لگی۔ ان کے مفادات اور ضرورتیں عوام کے مفادات سے متصادم تھیں۔ وہ اپنی حکمرانی کا جواز اسلامی احکامات و ہدایات کے ذریعے ثابت کرتے تھے۔ عام آدمی' جب ملوکیت کے غیر منصفانہ نظام کو اپنے دین سے متصادم دیکھ کر احتجاج کرتا تو اس کی تعبیرات و تشریحات کو غلط قرار دے دیا جاتا۔ ایک طرف ملوکیت کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں۔ دوسری طرف ایک طبقہ دین کی تشریح و تعبیر پر اپنی اجارہ داری قائم کرتا چلا گیا۔ وہ سادہ دین' جو ایک صحرا نشین کے لئے بھی قابل فہم تھا' اچھے خاصے پڑھے لکھے عام آدمی کے لئے مشکل اور پیچیدہ بنا دیا گیا۔ اتنا مشکل کہ عام آدمی اسے علیحدہ علم و ہنر تصور کرنے لگا۔ وہ یہ باور کر بیٹھا کہ اپنی روز مرہ کی مصروفیات کو برقرار رکھتے ہوئے' وہ یہ مشکل علم حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ فہم دین کے میدان سے پسپائی اختیار کرنے لگا۔ اس نے اپنے دین کی تشریح و تعبیر پر ایک طبقے کی اجارہ داری تسلیم کر لی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ روز مرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات میں بھی ہم اس طبقے کی خدمات حاصل کرنے لگے۔ دین کے علم سے ہی نہیں' دین کی خبر سے بھی دستبردار ہو گئے۔

وہ سادہ دین' جو اہل ایمان کو پیدائش سے لے کر قبر تک پنڈتوں' پروہتوں اور پادریوں کی خدائی سے نجات کی بشارت دینے آیا تھا' جو دینی و دنیاوی غلامی سے آزادی کا پیغام لایا تھا' ایک انقلاب کی طرح پھیل

گیا۔ اس پر ایمان لانے والے "مذہبی انڈسٹری" کے جال سے نکل گئے۔ وہ اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں کسی کے محتاج نہ رہے۔

بچے کی پیدائش پر باپ خود اس کے کان میں اذان دے سکتا ہے۔

نمازیوں میں سے کوئی ایک امامت کے فرائض ادا کر سکتا ہے۔

زکوٰۃ مستحقین کو براہ راست دی جا سکتی ہے۔

روزے کے لئے سحر و افطار کے لئے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

اللہ کے گھر میں تمام مناسک حج خود ادا کر سکتا ہے۔

ہر مسلمان' دوسرے کا نکاح پڑھوا سکتا ہے۔

ہر مسلمان اپنی زبان میں کلام اللہ کا مطالعہ کر کے' اس پر غور و تدبر کر سکتا ہے۔ تاہم عربی زبان میں براہ راست مطالعے کی اہلیت مستحسن ہے۔

میں نے چند نمایاں باتیں عرض کی ہیں۔ مگر ایک بات واضح ہے کہ اسلام میں دینی فرائض کی بجا آوری میں' کسی پیشہ ور مددگار کی ضرورت نہیں۔ "مددگاروں" اور بعد ازاں "اجارہ داروں" کے یہ طبقے' ایک طویل تاریخی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ دینی فرائض میں مدد دینے کا یہ سلسلہ ابتدا میں رضا کارانہ تھا۔ خود میں نے اپنے بچپن میں' مختلف ذرائع سے گزر اوقات کرنے والے امام مسجد دیکھے ہیں۔ کوئی سرکاری ملازم ہوتا' کوئی دکاندار' کوئی بڑے ذاتی کاروبار کا مالک' میرے استاد صوفی نظام الدین مرحوم کلام پاک بلا معوضہ پڑھاتے' وہ امامت بھی مفت کر کے نکاح پڑھانے کا معاوضہ بھی نہ لیتے۔ گزر اوقات کے لئے کپڑے کا کاروبار کرتے۔ ان دینی خدمات کی تنخواہوں اور فیسوں کا رواج زیادہ پرانا نہیں۔ مجھے تو اس کے مستحسن ہونے پر بھی شبہ ہے۔ بہرحال جب ان خدمات کے ساتھ معاشی مفادات کا سلسلہ پھیلا تو مقابلے بازی کے فطری رجحانات بھی نمودار ہونے لگے۔ فرقے تو مدتوں سے موجود تھے' مگر ان میں سماج کو درہم برہم کرنے والی انتہا پسندی نہیں پائی جاتی تھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کے مابین فرقہ وارانہ کشیدگی بہت کم اور تھوڑی جگہوں پر تھی۔ تصادم کے واقعات تو شاذ و نادر ہی سننے میں آتے۔ موضوع بہت وسیع ہے۔ مستقبل قریب میں ہماری زندگی اور ملکی و قومی وجود پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہونے والے ہیں۔ میں یہ باتیں کسی کی دل آزاری کی نیت سے نہیں لکھ رہا۔ میرا واحد مقصد اپنے مسائل و معاملات کو سمجھنا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس کی فکری و نظریاتی اساس نہ رکھی جا سکی۔ جو لوگ اس تحریک میں شامل تھے وہ جنگ اقتدار میں الجھ گئے اور مذہب کی بنیاد پر سیاست کرنے والے عناصر جن کا غالب حصہ تحریک پاکستان کا مخالف تھا اور اپنے ماضی کی بنا پر اس نئے ملک میں سیاسی اور معاشرتی طور پر دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور

تھا وہ فکری و نظریاتی رہنمائی کی عدم موجودگی میں نہ صرف اپنے احساس گناہ کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ آہستہ آہستہ وہ آگے بڑھتا رہا اور یہاں تک جارحانہ رویہ اختیار کر لیا کہ نظریہ پاکستان کا والی و وارث بن بیٹھا کیا ستم ظریفی تھی کہ نظریہ پاکستان کی تعبیر وہ لوگ پیش کرنے لگے جو قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ فوجی آمریت کے آخری اور طویل دور میں ان طبقوں نے اتنی قوت پکڑی کہ اقتدار پر قبضے کے خواب دیکھنے لگے۔ شخصی حکومت نے اپنی غیر نمائندہ حیثیت کا متبادل یہ تلاش کیا کہ ان مذہبی گروہوں کو مفادات میں پھنسا کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے چنانچہ پہلی مرتبہ یہ طبقہ خیراتوں اور چندوں کی سطح سے اوپر اٹھ کر بڑی بڑی مراعات سے لطف اندوز ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مدارس کی آمدنی لاکھوں اور کروڑوں تک جا پہنچی جو لوگ کرائے کے تانگے میں عام لوگوں کے ساتھ بحفاظت سفر کر لیا کرتے تھے وہ نئی پجیرو اور لینڈ کروزرز میں چار چار چھ چھ مسلح پہریداروں کے نرغے میں نظر آنے لگے۔ ہوائی جہازوں اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں دکھائی دینے لگے اور بیرونی ملکوں کے دورے ان کے لئے روز مرہ کا معمول بن گئے۔ افغانستان کی جنگ مذہبی انتہا پسندوں کے لئے خوشحالی اور دولت مندی کا پیغام لے کر آئی اور بے پناہ مالی وسائل کے ساتھ ساتھ جدید ترین اسلحہ بھی ان لوگوں کو ملنے لگا اور یہ افواہیں بھی عموماً سنائی دینے لگیں کہ مختلف مذہبی گروہوں کو بیرون ملک سے امدادیں ملتی ہیں۔

پاکستان کے اندر موجود اسلحہ اور دولت سے مالا مال مذہبی گروہ نہ صرف یہاں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اقتدار پر قبضے کے خواب دیکھنے لگے۔ ان کی دخل اندازیاں متعدد حکومتوں کے لئے تشویش کا باعث بنیں یہاں تک کہ بعض عرب ملکوں کے علاوہ وسطی ایشیا کے بعض ملکوں نے حکومت پاکستان سے باضابطہ احتجاج کیا اور کہا کہ آپ کے ملک میں تربیت حاصل کرنے والے مذہبی انتہا پسند ہمارے ہاں دہشت گردی کی کاروائیاں منظم کرتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ کاروائیاں ہیں جن کی بنا پر ایک مرتبہ پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے کی تجویز بھی زیر غور آئی تھی۔

مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے یہ تمام گروہ اسلام کا جو ماڈل پیش کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف تنگ نظری پر مبنی ہے بلکہ ایک کے بعد دوسرے دور میں وہ مختلف شخصی حکمرانوں کی ضروریات سے پیدا ہونے والے تصورات کے زیر اثر بھی ہے۔ اس میں اسلام کی حقیقی روح کارفرما نہیں۔ حد یہ ہے کہ ایک گروہ کا ماڈل دوسرے گروہ سے مختلف بھی ہوتا ہے اور یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے پیش کردہ تصور اسلام کو تسلیم نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو آسانی سے کافر قرار دے دیتے ہیں اور اب تو قتل و غارت گری بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔ ان سب کے تصورات میں صرف ایک چیز مشترکہ ہے اور وہ ہے اسلام کے غیر حرکت پذیر اور منجمد ہونے کا تصور۔ جس کی وجہ سے اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے یہ

منجمد تصورات مسلم معاشروں کو پسماندگی اور زوال میں مبتلا کرنے والے فلسفے کسی معاشرے میں تعمیر و ترقی اور علمی پیش رفت میں محرک نہیں بن سکتے۔ ہمارے ہاں مذہب کے نام پر جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اسی کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلم معاشرے زوال اور انتشار کا شکار ہوئے۔ خود برصغیر میں جہاں بڑی بڑی دینی درسگاہیں موجود ہیں اور قیام پاکستان کے بعد ان میں تیز رفتاری سے اضافہ بھی ہوا۔ کوئی ایک مثال ایسی نہیں دی جا سکتی جس میں ان درسگاہوں کے کسی استاد یا طالب علم نے کوئی علمی کارنامہ انجام دیا ہو۔ زراعت کے شعبے میں کوئی نئی راہ نکالی ہو۔ صنعت میں کوئی ایجاد کی ہو۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔ مارکیٹنگ سائنس میں کوئی مہارت دکھائی ہو۔ ریاضی، طب، سوشل سائنسز اور دیگر بے شمار علمی شعبوں میں کوئی نئی راہ نکالی ہو۔ یہ سارے علوم غیر اسلامی نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے مذہبی راہنما ان سے حاصل ہونے والے فوائد سے لطف اندوز نہ ہوتے۔ وہ تمام سائنسی ایجادات سے فراخدلی کے ساتھ فوائد حاصل کرتے ہیں، لیکن خود جس چیز کو وہ علم قرار دیتے ہیں اس میں ان علوم کی ذرا بھی گنجائش نہیں اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ ان دقیانوسی اور غیر متحرک علوم کے زور پر ایک جدید ریاستی نظام پر قبضہ کر کے اسے چلانے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

مغرب کے ترقی یافتہ ملک بھارت اور اسرائیل یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہبی انتہا پسند نہ تو کسی ملک کا ریاستی نظام چلا سکتے ہیں اور نہ ہی اسے ترقی و خوشحالی کے راستے پر ڈال کر مضبوط بنا سکتے ہیں، جس میں انہیں اپنے لئے کوئی خطرہ دکھائی دے۔ لیکن ایک بات وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وسطی ایشیا سے لے کر شرق اوسط تک پھیلی ہوئی مسلم آبادی جو اسلامی تہذیب کے مضبوط رشتوں میں بندھی ہوئی ہے وسائل اور افرادی قوت کی دولت سے مالا مال ہے۔ اگر یہ مسلم معاشرے اپنے وسائل سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تو ان میں ایک بڑی طاقت بننے کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ معاشی طاقت منظم کر لینے کے بعد ان معاشروں کے اندر موجود اسلامی تہذیب و اقدار کی توانائیاں اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ سرمایہ دارانہ تہذیبوں کو نہ صرف متاثر کریں بلکہ ان پر غالب بھی آسکیں۔ اسلام دور جدید کے معاشرتی اور سیاسی مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے۔ اصل خطرہ اسی چیز سے محسوس کیا جا رہا ہے لیکن یہ بات وہ کہتے نہیں ہیں۔ ان کا اصل ہدف اسلامی تہذیب میں مضمر وہ توانائیاں ہیں جو اس وقت خوابیدہ ہیں۔ لیکن وہ یہ اسی نعرہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف لگاتے ہیں۔ جو خود مسلم معاشروں میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد یورپ، امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا نیا گٹھ جوڑ اسی موضوع پر ہے اور سیکرٹری ولیم پیری نے بھارت، امریکہ دفاعی معاہدے کے بعد جس مشترکہ دشمن کی نشاندہی کی اس کا نام بھی "مذہبی انتہا پسندی" بتایا گیا۔ اس کوڈ ورڈ کو ڈی کوڈ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان کی حقیقی دشمن اسلامی تہذیب ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب بات کافی حد تک واضح ہو گئی ہو گی۔ پاکستان کے انتہا پسند اور فرقہ پرست مذہبی گروہ نیو ورلڈ آرڈر کے نئے حلیفوں کو مسلم معاشروں پر حملہ آوری کے بہانے فراہم کریں گے اور ان کی آڑ میں ان معاشروں کو انتشار، بدامنی اور تباہی و بربادی کا نشانہ بنا کر ان کی امکانی قوت کا خاتمہ کیا جائے گا۔ یہ سلسلہ شرق اوسط میں شروع ہے۔ افریقہ میں بھی اس کی ابتداء ہو چکی ہے اور پاکستان کی موجودہ حکومت بھی حسنی مبارک اور الجزائر کے فوجی حکمرانوں کی طرح اپنے مغربی سرپرستوں کو خوش کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتی نظر آرہی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ بھارت امریکہ دفاعی معاہدہ ہوتے ہی پاکستان کی حکومت کا رویہ مذہبی گروپوں کے خلاف جارحانہ ہو گیا ہے۔ گورنر پنجاب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہم دینی مدرسے بند کر دیں گے اور مشنری ادارے واپس کر دیں گے۔ یعنی اسلامی سکول بند اور عیسائی سکول شروع۔ اس طرح ترقی پسندی کے نام پر بھی اسلامی اقدار کی توڑ پھوڑ کا عمل شروع کیا جا چکا ہے۔ اب ہمارے مذہبی لیڈروں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اس کالم میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ ان سب کا وجود خطرے میں ہے۔ حکومت کی خواہش ہے کہ انہیں دیگر سیاسی قوتوں سے الگ رکھ کر کچل دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی تہذیبی قوت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ اس حکومت کو برسر اقتدار لانے والوں میں بھی ہمارے مولوی حضرات ہی پیش پیش تھے اور اب ریاستی طاقت کا نشانہ بھی وہی بننے والے ہیں۔ انہیں مصر اور الجزائر کی مثالیں سامنے رکھنی چاہئیں جہاں ریاستی طاقت کے بل پر انہیں برسوں سے کچلا جا رہا ہے۔ بہتر ہو گا کہ وہ اسلام اور پاکستان پر یقین رکھنے والی مضبوط سیاسی قوتوں کی قیادت قبول کرتے ہوئے پاکستان کے اسلامی کردار اور خود اپنے وجود کو بچانے کی کوشش کریں بصورت دیگر انہیں مذہبی انتہا پسند قرار دے کر انہیں کچلنے کے ساتھ ساتھ پاکستانی معاشرے کو بھی انتشار اور بدامنی کے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور ..... ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔

(بشکریہ نوائے وقت لاہور 95-01-31/95-01-27)

ضرورت رشتہ

ایک صاحب جائیداد، ایم ایس سی (زولوجی) عمر 35 سال لڑکی کے لئے ایسے تعلیم یافتہ زوج کی تلاش ہے جو لاہور میں ان کے ساتھ رہ سکے۔

رابطہ معرفت۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام گلبرگ II لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن، حدیث اور سنت

بشیر احمد

(1) **قرآن** قرآن کریم اللہ کریم کی آخری کتاب ہے جو اس کے آخری نبیؐ، رسولؐ رحمت للعالمین پر نازل فرمائی گئی۔ اللہ رب العالمین نے آپؐ پر یہ کتاب عزیز اس لئے نازل فرمائی کہ آپؐ اس کتاب کے ذریعے نذیر للعالمین بن جائیں چنانچہ آپؐ نے تنذیر کا یہ کام نہایت امانت و دیانت اور تن دہی سے انجام دیا۔

اللہ کریم نے آپؐ سے فرمایا کہ **وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ** (42:7)

اے رسولؐ اسی طرح ہم نے آپؐ کی طرف بھی قرآن عربی وحی فرما دیا ہے تاکہ آپؐ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کی بھی اور اس کے اردگرد کے علاقہ جات کے لوگوں کی بھی تنذیر کریں ـــــ اور اللہ نے آپؐ کو تاکیدی حکم دیا کہ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** ○ (50/45)

پس آپؐ ہر اس شخص کو جو ہمارے عذاب کی وعید سے ڈرے اس قرآن کریم ہی سے نصیحت فرماتے رہیں ـــــ اور اللہ کریم نے واضح فرما دیا کہ **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا** ○ 17/9

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو اعمال صالح بجا لاتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر کبیر ہے۔

جناب رسولؐ اللہ نے اعلان فرمایا کہ **وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ** ط 6/19

اور میری طرف (صرف) یہی قرآن وحی فرمایا گیا ہے تاکہ (اے لوگو) اس کے ذریعے میں تمہاری بھی تنذیر کروں اور ہر اس شخص کی بھی تنذیر ہو جائے جس تک یہ قرآن پہنچے۔

اور آپؐ کو حکم دیا گیا کہ **اِتَّبِعْ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** ج 6/106 جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ کی طرف وحی کیا جا رہا ہے (یعنی یہ قرآن کریم) آپؐ (صرف) اسی کی اتباع کریں ـــــ

اور آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج 7/203 میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی فرمایا جاتا ہے (یعنی یہ قرآن کریم)

اسی طرح سے مومنین اور مسلمین سے بھی کہا گیا کہ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط 7/3

تم لوگ صرف اسی کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن کریم)

اور اس کے علاوہ دوسرے اولیاء کی اتباع ہرگز نہ کرو۔ (دوسرے اولیاء سے مراد قرآن کریم کے علاوہ دوسری کتابیں یا اشخاص وغیرہ ہیں)

تو ہم نے دیکھا کہ جناب محمدؐ رسول اللہ پر صرف قرآن کریم ہی وحی کیا گیا اور آپؐ کو اسی اور صرف اسی کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ اور آپؐ نے واضح اعلان فرما دیا کہ میں صرف اسی قرآن کریم ہی کا اتباع کروں گا اور اسی کے ذریعے ہی لوگوں کی تنذیر کروں گا ——— اور مومنین و مسلمین کو بھی پابند کر دیا گیا کہ وہ قرآن کریم کے علاوہ کسی اور شخص یا کتاب کی اتباع ہرگز نہ کریں۔ اور قرآن کریم کے متعلق فرما دیا کہ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ ___ 6/155 اور یہ کتاب (قرآن کریم) ہم نے ہی نازل فرمائی ہے جو بڑی بابرکت ہے پس تم سب لوگ صرف اسی کی اتباع کرو ——— اور پھر فرما دیا کہ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ 29/51

کیا ان لوگوں کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپؐ پر الکتاب (قرآن کریم) نازل فرما دی ہے جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے ——— یقیناً اس (کتاب) میں مومن لوگوں کے لئے رحمت بھی ہے اور ذکر و نصیحت بھی۔

تو خود جناب رسولؐ اللہ کی طرح سارے مومن و مسلم پابند ہیں کہ صرف اللہ کی نازل فرمودہ کتاب (قرآن مجید) کی اتباع کریں اور اس کے علاوہ اور کسی چیز کی اتباع نہ کریں۔ یہ کتاب بالکل کافی ہے اور صرف اسی واحد کتاب کے ذریعے ہی قیامت تک کے لوگوں کی تنذیر و تذکیر کی جاتی رہے گی۔

(2) **حدیث** حدیث کا لفظ قرآن کریم میں آیا ہے مفرد اور جمع دونوں صورتوں میں۔ ہم چند مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(i) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ق تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ (39/23)

اللہ (ھادی و مولیٰ) نے احسن الحدیث (حسین ترین حدیث) نازل فرما دی ہے یہ ایک کتاب (کی صورت میں) ہے جو متشابہ بھی ہے اور مثانی بھی (اس کی بعض آیات متشابہات ہیں۔ جن میں تشابہ پایا جاتا ہے اور جن کے ایک سے زائد معانی ہو سکتے ہیں------ مگر چونکہ قرآن کریم میں اختلاف بالکل نہیں ہے اس لئے آیات متشابہات کے وہ معنی نہ کئے جائیں جو قرآن کریم کی مجموعی تعلیم یا کسی ایک محکم آیت کے خلاف ہوں------ اور یہ کتاب مثانی ہے------ اس کے اکثر مضامین کو بار بار مختلف انداز و اسلوب سے دہرایا گیا ہے تاکہ یہ مضامین اچھی طرح سے قاری کے ذہن نشین ہو جائیں۔)

اس (کتاب کے مطالعہ) سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کی خشیت رکھتے ہیں------ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر (اس کے قرآن کے قوانین) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں------ یہی کتاب اللہ کی ہدایت (کا مجموعہ) ہے اور اسی (کتاب ہدایت) کے ذریعے اللہ اپنے قانون مشیت کے عین مطابق' ہدایت کے طلب گار کو ہدایت دے کر ہدایت یافتہ قرار دے دیتا ہے اور جس شخص کو (اس کے کفر و انکار اور ضد و سرکشی کی وجہ سے) خود اللہ ہی گم راہ قرار دے دے تو ایسے شخص کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں مل سکتا۔

یہاں پر حدیث بلکہ احسن الحدیث کا لفظ قرآن کریم کے لئے ہی استعمال ہوا ہے

(ii) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ 7/184-185

(184) کیا یہ لوگ سوچتے اور غور نہیں کرتے کہ ان کے رفیق (جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی طرح کا بھی جنون (وغیرہ) نہیں ہے۔ وہ تو محض ایک نذیر مبین ہیں۔ (وہ ان لوگوں کو ان کے غلط افعال و اعمال کے مہلک اور تباہ کن نتائج سے قبل از وقت خبردار اور آگاہ کر دینے والے ہیں تاکہ اگر یہ چاہیں تو اپنی اصلاح کر لیں)

(185) یہ لوگ آخر آسمانوں اور زمین کی ملکوت (قدرت کی رنگا رنگ کار فرمائیوں) میں نظر کیوں نہیں دوڑاتے اور جو کچھ اللہ نے تخلیق فرما دیا ہے اس پر غور کیوں نہیں کرتے------ کیا عجب! کہ ان کی اجل (ان کا وقت مقررہ) قریب آچکی ہو------ تو اس کے بعد پھر وہ کون سی حدیث ہو گی جس پر یہ لوگ ایمان لا سکیں گے۔

(iii) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپؐ کو حق (اور سچائی) کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔۔۔۔۔ تو یہ لوگ اللہ اور اس کی آیات کے بعد آخر کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

(iv) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ 77/48-50

(48) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے (احکامات کے) سامنے جھک جاؤ تو یہ نہیں جھکتے۔ (اللہ کے احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔)

(49) تو اس روز (بروز حساب) ایسے مکذبین کے لئے بڑی ویل (تباہی بربادی اور خرابی) ہو گی۔

(50) تو اب یہ لوگ اس کے بعد اور کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

مندرجہ بالا آیات بینات میں ہم نے دیکھا کہ اللہ کی کتاب (قرآن کریم) اور آیات کے علاوہ دوسری کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس پر ایمان لایا جائے۔

(3) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ 18/6

(اے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ لوگ اس حدیث (قرآن کریم) پر ایمان نہ لائیں تو آپؐ تو شاید ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دیں گے۔

یہاں پر حدیث سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔

(4) اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ 52/33-34

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن از خود بنا لیا ہے۔ اگر یہ (اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہیں تو (یہ بھی تو بڑے ادیب و شاعر ہیں اور ان کو اپنی عربی دانی پر بھی بڑا ناز ہے) ان کو چاہئے کہ وہ اس (قرآن) کی مثل کوئی ایک ہی حدیث گھڑ کر لے آئیں۔

یہاں پر حدیث سے مراد قرآن ہی کی مثل کوئی بات ہے۔

(5) اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ○ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ○ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ○ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ○ 53/59-62

(59) (اے منکرو و کافرو) کیا تم اس حدیث (قرآن کریم) پر تعجب کرتے ہو۔

(60) اور ہنستے ہو (اس کا مذاق اڑاتے ہو) اور روتے نہیں (حالانکہ تمہیں تو اپنے اس رویہ پر رونا چاہئے)

(61) (دراصل بات یہ ہے کہ) تم (اپنے انجام سے) غافل ہو۔

(62) (تمہیں تو چاہئے کہ) تم اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ (اس کے قوانین کی محکومیت اختیار کر لو) اور (اسی کی) عبادت کرو۔

یہاں پر بھی حدیث کا لفظ قرآن کریم ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(6) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ○ (56/77-81)

(77) یہ (قرآن) تو یقیناً قرآن کریم (بڑے رتبے اور مرتبے والا قرآن) ہے۔

(78) یہ ایک محفوظ کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ (79) اس سے صرف ان ہی لوگوں کو مس ہو سکتا ہے جو پاک و صاف ہیں (جن کے دل و دماغ صاف و شفاف ہوتے ہیں اور وہ قرآن کو پڑھتے اور سمجھتے وقت اپنے دماغ کو ہمہ قسم کے ناپاک خیالات سے پاک کر لیتے ہیں)

(80) یہ (قرآن کریم) رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

(81) تو کیا تم اس الحدیث (قرآن کریم) سے انکار کرتے ہو؟

یہاں پر بھی الحدیث سے مراد صریح طور پر قرآن کریم ہی ہے۔

(7) فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ط سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ط اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○ (68/44-45)

(44) جو شخص اس الحدیث (اس قرآن کریم) کی تکذیب کرتا ہے' مجھے (اور اس کو تنہا) چھوڑ دو۔ (میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا) ہم ان کو بتدریج (آہستہ آہستہ) اس طریق سے گرفتار عذاب کریں گے کہ ان کو علم ہی نہ ہو سکے گا (کہ عذاب کیسے اور کہاں سے آگیا)!

(45) اور میں تو ان کو مہلت دئے جا رہا ہوں۔ لیکن میری تدبیر بڑی قوی ہے (وہ مجھ سے بچ کر کہیں نہ جا سکیں گے)

یہاں پر بھی الحدیث سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔

اب تک ہم نے جس قدر آیات دیکھیں ان میں حدیث کا لفظ قرآن کریم کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے اور اس الحدیث یا قرآن کریم کا نازل کرنے والا اللہ کریم ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی سچی اور پکی حدیث بیان کرنے والا ہے ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ○ (4/87)

اللہ تو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جس کے علاوہ دوسرا کوئی الٰہ (اس جیسا صاحب اختیار واقتدار اور

مطلق العنان حاکم) ہے ہی نہیں۔ یقیناً وہ تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس میں کوئی ریب اور شک نہیں ہے۔

اور اللہ سے بڑھ کر سچی حدیث (بات) کس کی ہو سکتی ہے۔

یہاں پر اللہ کی بات کو حدیث کہا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ اب ہم چند ایسی آیات دیکھتے ہیں جن میں حدیث کا لفظ عام فہم واقعہ یا قصہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(i) لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى 12/111

جناب یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے قصہ میں صاحبان عقل و بصیرت کے لئے بڑی عبرت ہے یہ کوئی ایسی حدیث (قصہ) نہیں ہے جو گھڑلی گئی ہو (بلکہ ایک سچا اور حقا قصہ ہے)

(ii) وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ 20/9

(iii) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ 79/15

کیا آپؐ کے پاس جناب موسیٰ علیہ السلام کی حدیث (قصہ واقعہ یا خبر) پہنچی؟

مندرجہ بالا دو آیات میں حدیث کا لفظ جناب موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے مگر یہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا کوئی فرمان نہیں ہے بلکہ آپ سے متعلق ایک خبر اور واقعہ کا ذکر ہے۔

(iv) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ○ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ○ 85/17-18

کیا آپؐ کے پاس فرعون اور ثمود کے عساکر کی حدیث (قصہ کہانی) پہنچی؟

(v) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ○ 88/1

کیا آپؐ کے پاس الغاشیہ (ڈھانپ دینے والی یعنی قیامت) کی حدیث (حال خبر) پہنچی۔

یہاں پر حدیث سے مراد ایک خبر یا واقعہ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حدیث کا لفظ عام بات (بھلی یا بری) کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

(i) يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ 4/42

اس روز کافر اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش (وہ زمین میں دفن ہو جائیں اور) زمین ان پر ہموار کر دی جائے (اور یوں ان کا نام و نشان مٹ جائے) کیونکہ (اس روز) وہ اللہ سے کوئی بھی حدیث (بات) چھپا نہ سکیں گے۔

(ii) وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ

الْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ○ 4/140

اور (اللہ نے) تم (مومنوں) پر کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر اور استہزاء کیا جا رہا ہے تو تم ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو' حتیٰ کہ وہ کسی دوسری حدیث (بات) میں مصروف ہو جائیں۔ ورنہ تم بھی انہی کے مثل سمجھے جاؤ گے۔۔۔۔۔ اور اللہ یقیناً ایسے تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

(iii) وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ 6/68

اور جب کبھی تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ حتیٰ کہ وہ کسی اور (معقول) حدیث (بات) میں مشغول ہو جائیں۔۔۔۔۔ اور اگر شیطان تم کو یہ بات بھلا دے تو جب بھی یاد آئے فوراً ان ظالم لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بند کر دو۔

قرآن کریم نے ایک ترکیب 'لھوالحدیث' کی بھی استعمال فرمائی ہے جس کے معنی بے ہودہ بکواس اور یاوہ گوئی کے ہوتے ہیں ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ 31/6

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لھوالحدیث (بے ہودہ اور لایعنی باتیں) خرید لیتا ہے (اپنا لیتا ہے) تاکہ وہ (عام لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کی راہ سے گم راہ کر دے اور اس (طرح) سے استہزاء کرے۔۔۔۔ ایسے لوگوں کے لئے اہانت آمیز اور رسوا کن عذاب ہو گا۔

_____ قرآن کریم نے حدیث کو گپ شپ کے معنوں میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ سورہ الاحزاب (33) کی آیت نمبر 53 میں آداب دعوت کے ضمن میں فرمایا ہے کہ

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط ____ 33/53

جب کھانا کھا چکو تو پھر منتشر ہو جاؤ اور حدیث (گپ شپ) میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔

_____ قرآن کریم نے حدیث کو عام عقل و سمجھ کی بات کے معنوں میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ط قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ 4/78

(موت سے تو تم لوگ بچ نہیں سکتے) تم کہیں بھی ہو چاہے بڑے مضبوط اور مستحکم محلات میں ہی کیوں نہ ہو موت تمہیں آپکڑے گی۔

اور (ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ) اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپؐ کی وجہ سے ہے---- آپؐ فرما دیں کہ نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ (نفع بھی اور نقصان بھی اس کے محکم قوانین کے تحت پہنچتا ہے)۔

آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ (اس قدر واضح اور صاف) حدیث (بات) بھی نہیں سمجھ سکتے۔

_____ سورہ تحریم (66) میں ذکر ہے کہ جناب رسولؐ اللہ نے اپنی ایک زوجہؓ محترمہ سے کوئی راز کی بات فرمائی---- اس راز کی بات کو بھی حدیث ہی کہا گیا ہے ارشاد ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا _____ 66/3

اور یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ایک زوجہ (محترمہ رضی اللہ عنہا) سے راز کے طور پر ایک حدیث (بات) کہی۔

یہاں پر جناب رسولؐ اللہ کی بات کو حدیث کہا گیا ہے مگر یہ کوئی ایسی حدیث نہ تھی جس کا تعلق دین سے ہو بلکہ یہ ایک راز کی بات تھی جو عام طور پر میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

_____ اب ہم چند وہ مقامات دیکھ لیں جہاں پر احادیث (حدیث کی جمع) کا لفظ آیا ہے۔

احادیث کا لفظ قرآن کریم میں پانچ بار آیا ہے تین بار تو صرف سورہ یوسف (12) میں آیا ہے وہ مقامات حسب ذیل ہیں۔

(i) **وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** _____ 12/6

(ii) **وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** _____ 12/21

(iii) **وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** _____ 12/101

ان تینوں مقامات پر احادیث کے معانی اہم معاملات۔ علم و حکمت کی باتیں وغیرہ کے ہو سکتے ہیں (بعض حضرات نے ان کے معانی خواب بھی کر دیے ہیں)۔

باقی دو مقامات حسب ذیل ہیں۔

(i) **وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ج فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○** _____ 23/44

_____ اپنے رسول (علیہ السلام) کی تکذیب کرنے والے بے ایمان لوگوں کو ہم نے (احادیث) افسانے بنا دیا۔ اور ایمان نہ لانے والوں کو رحمت سے دور لعنت میں گرفتار کر دیا۔

(ii) 34/19 _____ وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ط

اور یوں ان لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو ہم نے ان کو احادیث (افسانے' داستان ہائے پارینہ) بنا دیا۔ اور ان کو مکمل طور پر توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا۔۔۔۔۔ ان دو مقامات پر احادیث کے معنی ماضی کے افسانے اور داستان ہائے پارینہ کے ہیں۔

تو ہم نے دیکھا کہ قرآن کریم نے "حدیث" اور احادیث دونوں لفظ استعمال فرمائے ہیں مگر کسی بھی جگہ ان سے وہ معنی مراد نہیں لئے جا سکتے جو حدیث رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا احادیث رسولؐ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معروف طور پر لئے جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں احادیث رسولؐ کے کئی مستند مجموعے موجود ہیں جن میں درج احادیث کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اور لطف یہ کہ اہل سنت کی کتب حدیث الگ ہیں اور شیعہ حضرات کی الگ۔ اور ہر فرقے کا دعویٰ ہے کہ یہ تمام احادیث جناب رسول اکرم واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور اعمال پر مبنی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور بعض حضرات کا تو یہ بھی دعویٰ ہے کہ احادیث بھی وحی ہیں۔ اور یوں ان لوگوں نے وحی کی دو قسمیں بنا لی ہیں۔ (i) وحی جلی یا وحی متلو' قرآن مجید جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور (ii) وحی خفی یا غیر متلو جس کی تلاوت نہیں کی جاتی' یعنی احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعجب یہ ہے کہ قرآن مجید نے کہیں بھی اس لفظ حدیث یا احادیث کی نسبت جناب رسولؐ اللہ سے نہیں کی۔ اگر یہ دین اسلام کا واقعی ایک اہم ماخذ تھا تو قرآن کریم میں کہیں نہ کہیں تو اس لفظ کا تعلق جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا۔ بلکہ قرآن کریم ہی کو حدیث فرمایا گیا ہے اور اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ماننا ضروری ہے تو پھر آپ کی بیان فرمودہ حدیث قرآن کریم ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے خود قرآن کو قول رسول کریم قرار دیا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ○ وَّلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ 69/40-43

(40) یہ (قرآن کریم) یقیناً رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول ہے۔

(41) اور یہ کسی شاعر کا قول بالکل نہیں ہے اس پر تو تم لوگ بہت کم ایمان لاتے ہو۔

(42) اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ اس کا تم لوگ بہت ہی کم ذکر کرتے ہو۔

(43) یہ (قرآن کریم) تو دراصل رب العالمین کی طرف سے تنزیل ہے۔ (رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے)

تو قرآن کریم ہی قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور قرآن کریم ہی حدیث رب العالمین اور

حدیث رسول اکرم واعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

نوٹ :- قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ استاد تفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ایک بڑی ہی مفید کتاب تالیف فرمائی ہے اس کا نام ہے قاموس القرآن اور دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی اس کے ناشر ہیں۔

اس میں لفظ حدیث کا معنی و مفہوم یون بیان ہوا ہے حدیث۔ بات۔ جمع احادیث _____ رسول اکرم صلعم کے قول کو بھی حدیث کہتے ہیں مگر یہ اصطلاح بعد کی ہے۔ صفحہ 205 کالم 1

(3) **سنت** سنت کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے مفرد سنت بھی اور جمع سنن بھی۔

اس لفظ کو بھی قرآن کریم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(i) 8/38- **قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ج وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ** ○ 8/38

اے رسولؐ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کفار سے فرما دیں کہ اگر وہ اپنے اعمال و حرکات سے باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا اس پر ان کی مغفرت کر دی جائیگی۔ اور اگر ان لوگوں نے (ان حرکات کا) اعادہ کیا تو پھر ان سے پہلے لوگوں کی سنت (جو ان کا حشر اور انجام بد ہوا) گزر ہی چکی ہے۔

(ii) **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ** ○ 15/13

یہ لوگ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور پہلے لوگوں کی سنت بھی تو یہی رہی ہے۔ (یہی روش اور طریقہ جو ان سے پہلے لوگوں کا تھا وہی ان کا ہے لہٰذا جو انجام بد ان کا ہوا وہی ان کا بھی ہو گا۔)

(ii) **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا** ○ 18/55

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو کس چیز نے روکا کہ وہ ایمان لے آتے اور اپنے رب کی مغفرت طلب کرتے بجز اس بات کے کہ وہ بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر پہلے لوگوں کی سی سنت (انجام) آوارد ہو یا ان کے سامنے عذاب آموجود ہو۔

مندرجہ بالا مقامات پر سنت کے معنی روش' انجام حشر وغیرہ کے ہو سکتے ہیں۔

(iv) **فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ** _____ 35/43

یہ متکبر اور مکار لوگ بھی اگلے لوگوں کی سنت (روش انجام' حشر) کے علاوہ اور کس انتظار میں ہیں؟

(یہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو انجام ان سے پہلے متکبرین کا ہوا وہی ان کا ہو)

سنت اللہ

قرآن کریم نے سنت اللہ کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے جس کے معانی اللہ کا طریقہ' اللہ کا قانون اور اصول کے ہو سکتے ہیں۔ چند آیات پیش نظر ہیں۔

(i) سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○ 17/77

آپؐ سے پہلے جو رسولؑ (علیہم السلام) ہم نے بھیجے ان کے بارے میں بھی ہماری سنت (طریق' دستور' قانون) یہی رہا ہے اور آپؐ ہماری سنت (طریق و قانون) میں کوئی تحویل (تغیر و تبدل یا تبدیلی) نہ پائیں گے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ط سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ○ 33/38

اللہ نے (جناب) نبیؐ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ فرض کر دیا ہے (فریضہ رسالت) اس کام میں آپؐ کے لئے کوئی تنگی نہیں ہے۔ اللہ کی یہی سنت (طریقہ قانون دستور) تو ان لوگوں میں بھی رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں (یعنی انبیاء ماقبل علیہم السلام) اور اللہ کا ہر کام مستقل اقدار پر مبنی ہوتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سنت مستقل اقدار کی حامل ہوتی ہے۔

(iii) سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ 33/62

اللہ کی یہی سنت (دستور اور قانون) ان لوگوں کے بارے میں بھی رہی ہے جو قبل ازیں گزر چکے۔ اور آپؐ اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

(iv) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا 35/43

آپؐ نہ تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدل پائیں گے اور نہ ہی اللہ کی سنت میں آپؐ کوئی تحول پائیں گے۔ (اللہ کی سنت' قانون و دستور میں کبھی کوئی تبدیلی یا تحویل نہیں ہوا کرتی)

(v) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ط سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ج وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○ 40/85

لیکن جب ہمارے عذاب کو وہ دیکھ چکے تو اس وقت ان کے ایمان لانے نے ان کو کوئی نفع اور فائدہ نہ دیا ——— اللہ کی اپنے بندوں کے معاملہ میں ہمیشہ یہی سنت (قانون اور دستور) رہی ہے۔ اس موقع پر (کہ جب عذاب وارد ہونے کو ہو اس وقت کوئی ایمان لے آئے) تو وہ ایمان قبول نہ ہو گا اور کافروں کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

(vi) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ 48/23

یہی اللہ کی سنت (اس کا دستور و قانون) ہے جو پہلے ہی سے چلی آئی ہے اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

اب ہم چند وہ آیات دیکھ لیں جن میں لفظ سنن (سنت کی جمع) آیا ہے۔

(i) **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ** ○ 3/137

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سارے سنن (واقعات) گزر چکے ہیں۔ تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ مکذبین (اللہ کے دین کو جھٹلانے والوں) کا کیا انجام ہوا۔

یہاں پر سنن سے مراد واقعات ہیں۔

(ii) **يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ** ○ 4/26

اللہ چاہتا ہے کہ وہ (اپنی آیات) تمہارے لئے وضاحت سے بیان فرما دے اور تم کو اگلے لوگوں کے سنن (واقعات و حالات) بتا دے (تاکہ تم سبق اور عبرت حاصل کر سکو اور توبہ کر لو) اور وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کر لے--- اللہ تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی (اس کو خوب علم ہے کہ تم پہلے لوگوں کے حالات سے سبق حاصل کرتے ہو یا نہیں اور یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ تم کو پہلے لوگوں کے حالات بتا رہا ہے کہ تم اگر توبہ کر لو تو پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرما لے)۔

ہم نے دیکھا کہ سنت کا لفظ بھی گو قرآن کریم نے استعمال فرمایا ہے مگر اس لفظ کو کہیں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب نہیں فرمایا۔

لہٰذا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی اصطلاح ہرگز نہیں ہے۔

ہاں قرآن کریم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسوۂ حسنہ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے اور یہی اصطلاح جناب ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے مقدس ساتھیوں کے لئے بھی استعمال کی گئی ہے۔

ہم مختصراً ان دونوں مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(1) **جناب ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا اسوہ حسنہ**

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ______

______ **رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○ رَبَّنَا** ______ **إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** ______ **فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ** ○ 60/4-6

(4) تمہارے لئے (جناب) ابراہیم (علیہ السلام) اور آپؑ کے (مقدس) ساتھیوں میں اسوہ حسنہ (بہترین، حسین ترین نمونہ عمل) موجود ہے۔

کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بے تعلق ہو چکے ہیں اور ہم تم سب سے کفرو انکار کرتے ہیں اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ ہم میں اور تم میں ابدی عداوت اور بغض واضح طور پر قائم ہو چکے ہیں۔

البتہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ قول کہ میں تمہارے لئے مغفرت ضرور طلب کروں گا۔ گوکہ اللہ کے سامنے آپ کے معاملہ میں مجھے قطعاً کوئی اختیار نہیں ہے (ایک الگ بات ہے)

(اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ) اے ہمارے رب ہم نے آپ ہی پر توکل کیا۔ اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (ہم جانتے ہیں کہ آخر کار) آپ کے ہی حضور میں لوٹ کر آنا ہے۔

(5) اے ہمارے رب ہم کو کافروں کے فتنہ کا تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے رب ہم کو مغفرت عطا فرما۔ بے شک تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ (تیری عزت اور غلبہ سے ہم کو یقین ہے کہ تو ہم کو کافروں کے فتنہ سے محفوظ کر لے گا اور تیری حکمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہم ان کافروں کے مقابلے میں کامیاب و کامران ہوں)

(6) تو اے لوگو تم سب کے لئے ان لوگوں (جناب) ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے اندر اسوہ حسنہ (حسین ترین اور بہترین نمونہ عمل) موجود ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو اللہ سے (ملاقات کی) اور یوم آخر کے قائم ہونے کی امید رکھتا ہے—— اور جو شخص روگردانی کرے گا تو پھر بلاشک اللہ تو غنی بھی ہے اور حمید بھی۔ (وہ تمہاری مدد و معاونت سے بے نیاز ہے اور نہ ہی اسے تمہاری حمد و ثناء کی ضرورت ہے وہ تو از خود سودۂ حمد و ثناء ہے)

(2) اسوۂ حسنہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

اللہ نے' جناب ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ کرام کی طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ ذی شان رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر بھی بڑی شان سے فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ——

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○ (سورہ الفتح (48) آیت نمبر 29)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں (آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم) یہ سب کافروں کے مقابلہ میں بڑے شدید اور سخت ہیں لیکن آپس میں بڑے ہی رحیم (وشفیق) ہیں۔ تم دیکھو گے کہ یہ لوگ اللہ کے سامنے رکوع اور سجدے کرتے رہتے ہیں (اللہ کے قوانین کی دل و جان سے اطاعت کرتے ہیں) اور اللہ کا فضل اور اس کی رضوان کے طلب گار رہتے ہیں۔ سجدوں کا اثر ان کے منور چہروں سے درخشاں و عیاں ہے ان (مقدس لوگوں) کی مثال تورات میں بھی موجود تھی اور انجیل میں بھی۔

اور وہ مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہوتی ہے۔ پہلے پہلے وہ زمین سے اپنی نازک سوئی نکالتی ہے پھر وہ اس کو مضبوط کرتی جاتی ہے اور پھر اپنی نال پر متمکن ہو کر بلند و بالا ہوتی جاتی ہے۔ اور کھیتی والوں کو خوب خوش کرتی ہے اور کافروں کے اندر غیظ و غضب بھر دیتی ہے (ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں)۔

مگر جو لوگ ایمان لے آئیں اور صلاح و فلاح کے کام کریں' اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کو مغفرت بھی ملے گی اور اجر عظیم بھی عطا ہو گا۔

تو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا ذکر جمیل ہو تو آپ کے صحابہ کرام کا اسوہ بھی اس میں شامل ہو گا جیسے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام کا اسوہ حسنہ شامل تھا۔

تو ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ 33/21

تم سب کے لئے (جناب) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں (اور آپؐ کے (مقدس) صحابہ کے اندر اسوہ حسنہ (بہترین اور حسین ترین نمونہ عمل) موجود ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو اللہ کے ذکر (قانون اور قرآن کے احکامات) کو بکثرت اپنے سامنے رکھتا ہے۔

تو ہم نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اشرف کے بارے میں قرآن کریم نے سنت کا لفظ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔

قرآن نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ ہے اسوۂ حسنہ۔

لیکن اللہ جانے کیوں جناب رسول اکرم و اعظم کی ذات والا شان کے ساتھ حدیث کی طرح سنت کا لفظ بھی منسوب کر دیا گیا ہے۔

اور اب حدیث و سنت کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم دوسرے درجہ کی کتاب بن جاتا ہے اور دین و مذہب کا سارا کاروبار حدیث اور سنت کی روشنی میں چلایا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ روز قیامت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزت میں ہمارے خلاف ایک بہت بڑا استغاثہ دائر فرمائیں گے اور وہ یوں ہے۔ ارشاد ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ 25/30

اور (جناب) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور (جکڑ بند) کر کے رکھ دیا تھا۔

(عرب لوگ جب دیکھتے تھے کہ ان کا کوئی جانور شہ زور ہے اور ادھر ادھر بھاگ دوڑ جاتا ہے اور قابو نہیں آ پاتا تو وہ اس کو مختلف طریقوں سے مثلاً رسیوں وغیرہ سے اس طرح جکڑ بند کر دیتے تھے کہ اس کی ساری شوخی دھری کی دھری رہ جاتی تھی اور وہ مجبور ہو جاتا تھا کہ اپنی حرکات کو مالک کی مرضی کے تابع رکھے)۔ ایسے جانور کو مہجور کہا جاتا تھا۔

ہم نے بھی قرآن کے ساتھ یہی سلوک کر رکھا ہے قرآن کی ساری آزادیاں سلب کر لی ہیں یہ اپنے احکام آزادانہ نہیں دے سکتا بلکہ اس کو روایات۔ تفسیرات۔ حواشی اور اسرائیلیات وغیرہ سے جکڑ بند کر کے رکھ دیا ہے۔

ہمارے بڑے بڑے جید علماء بھی قرآن کو جب سمجھتے سمجھاتے ہیں تو کسی نہ کسی پہلی تفسیر کے پابند ہو کر ہی ایسا کرتے ہیں۔ اور قرآن کے علوم کو بزعم خویش خوب اجاگر کرتے ہیں۔ مگر بات وہی رہتی ہے جو پہلے کسی مفسر حضرت نے کر دی تھی۔ قرآن تعقل' تدبر' تذکر کی دعوت دیتا ہے مگر مسلمانوں کے ہاں ان باتوں کا چلن ہی نہیں رہا۔ اب تو جو بھی مفسر قرآن کا دعویٰ کر کے سامنے آئے تو گفتہ او گفتہ اللہ بود۔ یہ تو ایک دردناک حقیقت ہے ہی مگر ایک بات غور طلب یہ بھی ہے کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے بارے میں تو اپنی تشویش کا اظہار فرمائیں گے۔ تو کیا آپ کی حدیث و سنت پر کماحقہ عمل ہو رہا ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں بھی قرآن ہی کی طرح اہم ہوتیں تو قرآن میں کہیں تو آپؐ فرماتے کہ میری قوم نے میری حدیث اور سنت کو مہجور بنا دیا تھا۔

قرآن نے تو آپؐ کی ذات اقدس و اشرف سے حدیث و سنت کا لفظ منسوب ہی نہیں کیا۔ جب کہ قرآن مجید اور آپ کا تعلق اس شان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ گویا قرآن رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ 33/56

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برطانوی وزیر خارجہ کے فرمودات

الطاف گوہر

حال ہی میں برطانیہ کے وزیر خارجہ ڈگلس ہرڈ پاکستان تشریف لائے تھے۔ ان کی آمد کا مقصد حکومت کے سوشل ایکشن پروگرام کے لئے تھوڑی سی مالی امداد فراہم کرنا تھا مگر انہوں نے ہماری سرکار کی شکر گذاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جموں اور کشمیر کے مسئلے پر ہمیں اپنے فرمودات سے بھی نواز دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت وقت گذر چکا ہے اور یہ ممکن نہیں رہا کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی چھیالیس (46) سالہ پرانی قراردادوں کے مطابق حل کیا جا سکے۔ پاکستان کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہئے کہ سیاسی حالات بدل چکے ہیں اور مناسب یہی ہے کہ پاکستان اور ہندوستان باہمی گفت و شنید کے ذریعے کشمیر کے جھگڑے کا کوئی حل نکالیں۔ کشمیریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ بھی ضروری ہے مگر اس سے کہیں ضروری یہ بات ہے کہ کشمیر کے "دہشت پسندوں" کو کسی قسم کی امداد فراہم نہ کی جائے اور بھارتی حکومت کو یہ موقع دینا چاہئے کہ وہ جموں اور کشمیر کی ریاست میں انتخابات کے ذریعے ایسی سیاسی فضاء قائم کر دے جو کشمیر کے پرامن تصفیے کے لئے ساز گار ہو۔

ڈگلس ہرڈ نے جو کچھ فرمایا اس پر عوامی رد عمل انتہائی ناخوشگوار ہوا۔ اخباروں کے اداریوں اور کالموں میں حکومت برطانیہ کی خوب خبر لی گئی۔ گو سرکاری سطح پر وزیراعظم یا وزیر خارجہ نے ہرڈ کے بیانات کی تردید کرنا ضروری نہ سمجھا۔ شاید یہ بات آڑے آئی ہو کہ ایک طرف تو ہرڈ صاحب سے بصد عزت و احترام مالی عطیہ وصول کریں اور دوسری طرف انہیں برا بھلا بھی کہیں' مہمان نوازی کی روایت کو زیب نہیں دیتا۔ تبصرہ نگاروں نے ہرڈ کے بیانات کو احمقانہ قرار دیا اور انہیں جموں اور کشمیر کے مسئلے کی تاریخ کا سبق سکھایا۔ یہ نہ سوچا گیا کہ شاید ڈگلس ہرڈ کشمیر کے مسئلے کے سب پہلوؤں سے بخوبی واقف ہوں اور ان کے فرمودات کا مقصد ہمیں یہ بتانا ہو کہ حکومت برطانیہ اب اقوام متحدہ کی قرار داد کے مطابق جموں اور کشمیر میں استصواب رائے کے فیصلے کی حمایت نہیں کرے گی۔ یہ ایک انتہائی اہم پیغام تھا جو انہوں نے ہمیں کھلے لفظوں میں اور کھلے بندوں پہنچا دیا۔

ڈگلس ہرڈ برطانوی کابینہ کے ایک اہم اور شاید قابل ترین رکن ہیں۔ انہوں نے حکومت برطانیہ کی طرف سے کئی اہم بین الاقوامی معاملات میں انتہائی حساس مشن بڑی کامیابی سے پورے کئے ہیں۔ لہٰذا ان کی کہی ہوئی باتوں کو احمقانہ تصور کرنا خود فریبی ہے۔ پاکستان تشریف لانے سے پہلے وہ ہندوستان گئے تھے اور انہیں معلوم تھا

کہ ان کی برطانیہ واپسی کے فوراً بعد امریکہ کے وزیر دفاع ولیم پیری بھارت سے دفاعی معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ اس دفاعی معاہدے کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے۔ بھارت کو یہ یقین دلانا ضروری تھا کہ جموں اور کشمیر کے مسئلے پر امریکہ اور برطانیہ کا روایتی نقطہ نظر بدل چکا ہے اور اب وہ یہ ممکن نہیں سمجھتے کہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جاسکتا ہے۔'

سفارتی سطح پر بھارت کو یہ یقین دلانے کے بعد یہ ضروری سمجھا گیا کہ ڈگلس ہرڈ یہ بات پاکستان کو عوامی سطح پر بتا دیں تاکہ معاملہ صاف ہو جائے اور ہر بات ریکارڈ پر آجائے۔ اس سے یہ بھی ہوا کہ امریکہ نے پاکستان میں عوامی رد عمل کا رخ برطانیہ کی طرف موڑ دیا اور امریکہ کے وزیر دفاع انتہائی خوشگوار ماحول میں اپنا مشن مکمل کر سکے۔ ہم اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کشمیر کے مسئلے پر قطعاً" کوئی حمایت حاصل نہ کر سکے اور ہمیں اپنی قرار داد واپس لینا پڑی۔ اب ڈگلس ہرڈ نے واضح طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ امریکہ اور یورپ کی طرف سے پاکستان کے موقف کی تائید ممکن نہیں رہی۔ اسلامی سربراہوں کی کانفرنس میں کشمیر کے مجاہدین کی طرف سے یہ صاف پیغام دیا گیا کہ پاکستان یا ہندوستان سے ملنے کے علاوہ کشمیری عوام کو ایک آزاد مملکت قائم کرنے کا حق بھی حاصل ہونا چاہئے۔ ادھر ہندوستان بدستور اصرار کر رہا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ شملہ معاہدے کے مطابق طے کیا جانا چاہئے اور اس مسئلے کو بین الاقوامی شکل دینا شملہ معاہدے سے روگردانی ہے۔ کسی پاکستانی حکومت کو شملہ معاہدے کی تنسیخ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ بھارت نے پاکستانی جنگی قیدیوں کی رہائی کے عوض پاکستان سے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کروا لئے جو بلیک میل کا شاہکار تھا۔ بین الاقوامی قانون کی نظر میں اس معاہدے کی حیثیت مشکوک ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ کشمیری عوام اس معاہدے میں شریک نہ تھے۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے سیاسی مفادات کی خاطر اس معاہدے کو آسمان تک پہنچا دیا اور آج اس کا خمیازہ کشمیری عوام بھگت رہے ہیں۔

کشمیر میں آزادی کی جو جنگ لڑی جا رہی ہے وہ شملہ معاہدے سے کشمیری عوام کی انتہائی بیزاری کا واضح ثبوت ہے اور اب اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر جنگی قیدیوں کی رہائی کا سوال نہ ہوتا تو پاکستان ہرگز ایک ایسے معاہدے پر دستخط نہ کرتا جو عوام کے حق خودارادیت کی نفی کرتا ہے۔ شملہ میں جو کچھ ہوا وہ ایک سودا تھا اور جس فریق کے حقوق کا سودا ہوا وہ وہاں موجود تک نہ تھا۔ اس وقت کسی کو یہ احساس نہ تھا کہ کشمیر کے عوام اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر جان و مال سے بے نیاز اپنی آزادی کا پرچم اٹھائے میدان جنگ میں اتر آئیں گے اور بھارتی فوج کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گے۔ حکومت پاکستان مانے نہ مانے عوام شملہ معاہدے کو منسوخ کر چکے ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کا باہمی مسئلہ نہیں ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا حل اقوام متحدہ کی انہی قراردادوں میں ملے گا جن پر پاکستان اور ہندوستان عمل کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ انہی قراردادوں سے

علاقائی امن کو تحفظ اور کشمیری عوام کو اپنے حق خودارادیت کے استعمال کا موقع ملے گا۔

ڈگلس ہرڈ نے کشمیر کے بارے میں جو کچھ کہا اس کا ایک پس منظر ہے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں کہ انہوں نے ایک بین الاقوامی تنازعے کو خانہ جنگی کی شکل دی ہو' اور نہ ہی یہ پہلی دفعہ ہے کہ انہوں نے فوجی بربریت اور بنیادی انسانی حقوق کی پامالی پر بے رخی اختیار کی ہو۔ یوگوسلاویہ کی ریاستوں نے جب آزاد مملکتوں کی شکل اختیار کی تو بوسنیا کو بھی ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ بوسنیا میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور یوگوسلاویہ کے سرویاوی حکمرانوں اور ان کے روسی اور یورپی ساتھیوں نے یہ سازش کی کہ بوسنیا کی ریاست کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا جائے اور مسلمانوں کو اپنی سلطنت بنانے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ خیال کہ یورپ کے وسط میں ایک اسلامی مملکت فروغ پائے عیسائیوں کے لئے ناقابل قبول تھا' لہٰذا یوگوسلاویہ کی سرب فوجوں نے بوسنیا پر حملہ کر دیا اور کہا گیا کہ اس کا مقصد علاقے کی تطہیر کرنا ہے تاکہ گروہی اور مذہبی کشمکش ختم کی جا سکے۔ اس سرویائی منصوبے کو انگریزی زبان میں "ا تھنک کلینزنگ" کا نام دیا گیا جس کا سیدھا سادہ لفظی ترجمہ نسلی صفایا ہے۔ مسلمانوں کا کشت و خون ہو رہا تھا اور نسلی صفائی کے بہانے مغربی ملکوں نے یہ بندش لگا دی کہ یوگوسلاویہ کو کسی قسم کی فوجی امداد اور فوجی ہتھیار فراہم نہیں کئے جائیں گے۔ سرویائی فوجیں تو پہلے ہی ہتھیاروں سے لیس تھیں لہٰذا اس بندش کا ان پر تو کوئی اثر نہ پڑا' البتہ بوسنیا کے مسلمان نہتے رہ گئے اور سروں نے ان کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان ملکوں کی کسی تنظیم کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس غیر منصفانہ بندش کو توڑنے کی کوشش کرتی۔ بوسنیا کے مسلمان دو سال سے سرب جارحیت کا شکار ہو رہے ہیں' اور اب تک اقوام متحدہ نے سرو حملہ آوروں کے خلاف کوئی فوجی کاروائی کرنا مناسب نہیں سمجھا' امریکہ اور انگلستان کے نمائندے بوسنیا میں قیام امن کی جو تجویز بھی پیش کرتے ہیں اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ بوسنیا کے مسلمان اپنی سلامتی اور مستقبل کو سروں کے سپرد کر دیں۔

اس ہولناک ڈرامے میں ڈگلس ہرڈ نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے جس کا عام لوگوں کو علم نہیں' "نسلی تطہیر" کے نظریئے کو فروغ دینے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا اور اسی نظریہ کے ماتحت وہ یہ اصرار کرتے آرہے ہیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو ہتھیار نہیں ملنے چاہئیں۔ مسلمانوں کو اگر ہتھیار مل گئے تو "خانہ جنگی" طول پکڑ جائے گی' نوئل میلکم نے حال ہی میں بوسنیا پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے ڈگلس ہرڈ کی سفارتی کار گذاری پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ڈگلس ہرڈ ہی تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ بوسنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سرو جارحیت کا نتیجہ ہے۔ قدیم نسلی نفرت کا اظہار ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ سرو حکمران یوگوسلاویہ کی ریاستوں پر اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں اور بوسنیا پر جارحیت کا ارتکاب اسی سبب کیا گیا تھا۔ اس میں قدیم نفرتوں یا رنجشوں کا کوئی دخل نہ تھا۔

بوسنیا کے مسلمان اور سرو شہری سالہا سال سے انتہائی خوشگوار ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کا آپس میں نہ کوئی جھگڑا تھا' نہ کوئی نفرت' مگر جب سرو فوجوں نے بوسنیا کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا تو صورت حال بدل گئی۔ جدید دور کے قصے کہانیاں دہرائی جانے لگیں اور جارحیت کو نسلی نفرت میں بدل دیا گیا۔

اس جارحیت کو ختم کرنے کے لئے جب امریکہ اور جرمنی نے ہتھیاروں پر بندش اٹھانی چاہی تو ڈگلس ہرڈ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ اس وقت انہوں نے ایک اور بہانہ تراشا۔ وہ سرعام یہ کہنے لگے کہ اگر بوسنیا کے مسلمانوں کو ہتھیار ملنے لگے تو سروں کی راہ میں غیر ضروری رکاوٹیں پیدا ہونگی۔ اس خیال کو انہوں نے مساوی قتل گاہوں کا نام دیا۔ یہ تصور کمبوڈیا میں ابھرا تھا جہاں ہزاروں غریب شہریوں کو قتل گاہوں میں لے جا کر ختم کر دیا جاتا تھا تاکہ نظریاتی عقیدوں کی حفاظت کی جا سکے۔ دنیا کو اس تصور کی خبر 1984ء میں ایک فلم کے ذریعے ہوئی تھی' ڈگلس ہرڈ نے اس تصور میں "مساوات" کا اضافہ کر دیا۔ جسے وہ مساوی قتل گاہ کہہ رہے تھے وہ ایک دوزخ تھا جہاں سرو درندے نہتے مسلمان مرد' عورتوں اور بچوں کو اپنی حکمرانی کی ہوس کے شعلوں کی نذر کر رہے تھے۔ ڈگلس ہرڈ اس دوزخ کو محفوظ کر رہے تھے تاکہ بوسنیا کا مسئلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جلد از جلد ختم کیا جا سکے۔ وہ آج بھی اس بات پر جمے ہوئے ہیں کہ اگر بوسنیا کے مسلمانوں کو فوجی اعتبار سے اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں تو معاملہ طول پکڑ جائے گا۔

یہی ڈگلس ہرڈ اب اپنا بوسنیا والا حربہ کشمیر میں استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک کشمیریوں کی جنگ آزادی کوئی بین الاقوامی مسئلہ نہیں خانہ جنگی کا معاملہ ہے۔ اس معاملہ کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں طے کرنے کا خیال چھوڑ دینا چاہئے۔ مجاہدین آزادی کو کسی قسم کی فوجی یا سیاسی امداد دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس سے کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہو گا' محض کشت و خون میں اضافہ ہو گا' پاکستان کو سیاسی حقیقتوں کو تسلیم کر لینا چاہئے اور ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا معاملہ صلح و صفائی سے طے کر لینا چاہئے۔ بھارت کشمیر میں انتخاب کرانا چاہتا ہے' پاکستان کو اس کی تائید کرنی چاہئے' یہ سب کچھ کرنے سے کشمیر میں قتل گاہوں کو مساوی امکانات مل جائیں گے' اور جب بھارتی فوجیں حریت پسندوں اور ان کے بھائی بہنوں کو اطمینان سے سپرد خاک کر چکیں گی تو مسئلہ کشمیر خود بخود حل ہو جائے گا۔

ڈگلس ہرڈ کے "فرمودات" پاکستان کے لئے ایک وارننگ ہیں۔ ہم نے اگر انہیں نظر انداز کر دیا تو بھارتی فوجوں کو کشمیری عوام کو اپنی بربریت کی آگ میں دھکیلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی اور سارا کشمیر ایک مساوی قتل گاہ بن جائے گا۔

(بشکریہ نوائے وقت لاہور 27-01-95)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی؟

علی محمد چدھڑ

16 جنوری کو "راوی نامہ" کے کالم میں جناب عبدالعزیز خالد صاحب کی ایک تحریر مندرجہ بالا عنوان کے تحت شائع ہوئی۔ جس میں مراسلہ نگار لکھتے ہیں "حضرت حوا کی تخلیق کی طرف اشارہ صرف آیت 4:1 سے ملتا ہے۔ اور اس میں مقررہ (ڈاکٹر رفعت حسن) کے اعتراض کا جواب بھی پوشیدہ ہے کہ مرد سے عورت کس طرح وجود میں آسکتی ہے۔ اس موقف کے جواز میں وہ آیت 4:1 کو بطور سند پیش کرتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں تحریر کرتے ہیں۔ "جس نے تخلیق کیا تم کو تن واحد سے اور جوڑا اس کا اسی میں سے بنایا اس نے (اور جوڑا بھی اسی میں سے بنایا اس کا)"

فاضل مراسلہ نگار یہ سمجھتے ہیں کہ موضوع کے لحاظ سے یہی واحد آیت ہے جو حضرت حوا کی تخلیق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حالانکہ قرآن نے اسی مفہوم کو آیت 39/6 میں بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جہاں تک انکے ترجمہ کا تعلق ہے۔ تو نفس واحدہ کا ترجمہ تن واحد درست نہیں (معاف کرنا یہ پسلیوں والا تن واحد نہیں) بلکہ اسکے لئے صحیح لفظ جرثومہ زندگی (Life Cell) موزوں ہے۔ ازاں بعد یہ جرثومہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس سے نر و مادہ کی تقسیم وجود میں آئی۔ اور یوں نر و مادہ کے اختلاط سے اس نے کرہ ارض پر کثیر آبادی پھیلا دی۔ جو مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہے۔"

آیت 39/6 "اس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا ایک جرثومہ (Life Cell) سے کی۔ پھر اس ایک جرثومہ کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر دیا کہ اس میں سے ایک حصہ نر بن گیا اور دوسرا مادہ"

سمجھ میں نہیں آیا کہ جناب عبدالعزیز خالد صاحب نے مذکورہ آیت کو حضرت حوا کی پیدائش سے کیوں منسلک کر دیا۔ جبکہ حوا کا لفظ سارے قرآن میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ مزید حیران کن بات یہ ہے کہ ایک طرف تو مراسلہ نگار اپنے مسلک کے ثبوت میں آیت 4:1 پر انحصار کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف خود ہی ایک مفسر کے حوالہ سے اسکی تردید کر دیتے ہیں۔ انکے مراسلہ کا اقتباس ملاحظہ ہو "تلمود میں اور زیادہ تفصیل کیساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں جانب کی تیرھویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن

کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اسکی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ بات کو اس طرح مجمل رہنے دیا جائے۔ جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے" اقتباس سے معلوم ہوا کہ قرآن تو اس معاملہ میں پہلے ہی خاموش تھا لیکن جو حدیث اسکی تائید میں پیش کی جاتی ہے' اس کا مفہوم بھی وہ نہیں ہے جو ہم سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں زیر بحث مسلک پر کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اسکے باوجود مراسلہ نگار نے بات کو ختم نہیں کیا بلکہ مختلف کتب احادیث سے روایات کی ایک کثیر تعداد اپنے موقف کے حق میں پیش کر دی۔ اور بتایا ہے کہ "اب یہ وضاحت تحصیل حاصل ہے کہ تو رات جو ارشاد خداوندی ہے۔ حدیث نبوی بھی اسکی تائید کرتی ہے"۔ آخر میں ہمارے فاضل مراسلہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ "حدیث کا منصب ہے قرآن کے مجلات کی تفصیل۔ اسکی مشکلات کی شرح۔ اسکے مختصر اشارات کی توضیح۔۔۔۔ یعنی یہ اسکی مبین۔ مفسر اور شارح ہے"

لیکن یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے۔ جب ان کا موقف قرآن سے ثابت نہیں تو پھر احادیث نبوی اسکی شرح یا تفسیر کیسے کر سکیں گی۔ البتہ یہاں تورات روایات کی یا روایات تورات کی تائید کرتی ضرور نظر آتی ہیں۔ لیکن زیر بحث موقف قرآن سے کسی طور بھی ثابت نہیں ہو سکا۔

جہاں تک حدیث کے منصب کا تعلق ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد تم سے بہت سی احادیث بیان کی جائینگی۔ سو جب کوئی حدیث میری طرف سے روائت کی جائے تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو اسکے موافق ہو اسے قبول کر لو۔ جو اسکے خلاف ہو اسے رد کر دو (بحوالہ حنفی اصول فقہ کی مستند کتاب التوضیح والتلبوع ص 480)

اب اس حدیث اور قرآن کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ یہ جو کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر اور شارح ہے کس حد تک درست ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور اور کتاب مبین کہہ کر پکارا ہے (4/175, 7/157, 5/15) روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے تعارف اور نمود کیلئے کسی دوسری روشنی کی محتاج نہیں ہوتی۔ روشن چراغ کو کسی دوسرے دیئے سے تلاش نہیں کیا جاتا۔ قرآن کریم خود قرآن سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اسے اپنے آپ کو سمجھانے کیلئے خارجی سہاروں کی ضرورت نہیں۔

2- قرآن کہتا ہے۔ کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ خدا نے میری وساطت سے تمہاری طرف اس قسم کا ضابطہ زندگی بھیجا ہے۔ 29/51

3- اللہ فرماتے ہیں "اور ایک ایسی کتاب نازل کر دی جسکے احکام الگ الگ نکھار کر بیان کر دیئے ہیں تاکہ ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہ رہے۔ اسکی زبان بڑی واضح اور صاف ہے تاکہ جو لوگ علم و

بصیرت سے کام لیکر اسے سمجھنا چاہیں۔ انکے سامنے اسکے مطالب واضح طور پر آجائیں۔ 41/3

4- ہم مختلف امور کو لوٹا لوٹا کر بیان کرتے ہیں۔ انکے متنوع گوشے بار بار سامنے لاتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ضد اور تعصب کی بناء پر بلا سوچے سمجھے اس سے انکار کرتے چلے جاتے ہیں 17/89

5- اور ہم نے قرآن میں بتیان حقیقت کیلئے مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں اور اسکے متنوع گوشوں کو پھیر پھیر کر سامنے لاتے ہیں۔ تاکہ حقائق بالکل واضح ہو جائیں۔ 17/41

اب اگر خدا کے ان واضح اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن کی جامعیت مسلمہ اور یقینی ہو جاتی ہے۔ اور اس موقف کی تردید بھی کہ قرآن اپنی تفسیر و شرح اور توضیح کیلئے احادیث کا محتاج ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ کسی صورت میں بھی مناسب نہیں کہ کتاب اللہ کو روایات کی غیر ضروری پابندیوں میں جکڑے رکھیں۔ قرآن اور اسلام کیلئے انتہائی عروج اور کامرانیوں کا زمانہ وہ تھا جب نہ روایات تھیں اور نہ فقہ کا وجود۔ سوچنے کا مقام ہے کہ دین کے اس سنہری دور میں قرآن کی توضیح و تشریح کیلئے کونسا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ قرن اول کے اس دور میں قرآن ہی سب کچھ تھا۔ اور اسکے سوا کوئی تحریری قانون موجود نہیں تھا۔ کتاب اللہ کی اس قانونی حیثیت کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں "سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قرن اول سے لیکر عباسیوں کے زمانے کے آغاز تک مسلمانوں میں قرآن کے سوا کوئی تحریر قانون موجود نہیں تھا۔ (اقبال اور قرآن ص 151) لہٰذا کیا ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم کھلے دل سے یہ تسلیم کر لیں کہ قرآن کو اپنی وضاحت کے لئے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک قرآن کی روائتی تشریح کے معیار کا تعلق ہے بہتر ہے کہ قارئین کی دلچسپی کیلئے اسکا ایک نمونہ یہاں پیش کر دیا جائے تاکہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کی گنجائش ہی نہ رہے۔ سورہ الحجر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے کون آگے بڑھ جانے والے ہیں اور کون پیچھے رہ جانے والے ہیں 15/24" جامع ترمذی میں حضرت عباس کی روائت ہے کہ۔

> "ایک حسین ترین عورت (مسجد میں) رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے آیا کرتی تھی صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگ تو آگے کی صف میں شریک ہوتے تھے تاکہ اسے نہ دیکھ سکیں لیکن کچھ لوگ پیچھے کی صف میں شریک ہوتے تھے اور رکوع کی حالت میں بغل کے نیچے کی طرف سے اسے جھانکتے رہتے تھے۔ اسپر اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ہم تم میں سے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی"

خیر یہ باتیں تو ضمناً سامنے آگئیں ہمارا اصل موضوع تو عورت کا وہ مقام ہے جو کتاب اللہ کی وساطت سے اسلام نے اسے دیا۔ نزول قرآن سے پہلے مردوں نے عورت کے متعلق عجیب و غریب باطل قسم کے نظریات پھیلا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ قدیم مذہبی کتب میں بھی ایسی بے سروپا کہانیوں کی کمی نہ تھی۔ عورت کا درجہ مرد کے مقابلہ میں نہایت پست خیال کیا جاتا۔ دنیا کی ہر سوسائٹی اور مذہب میں عورت ناقص العقل۔ تمام مصیبتوں کا سرچشمہ اور گناہوں کا منبع خیال کی جاتی اور یہ خیال بلکہ عقیدہ تو عام تھا کہ عورت کی پیدائش مقصود بالذات نہیں۔ اسے مرد کی دلجوئی کیلئے اسکی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن آیا تو اس نے ایسے تمام مروجہ عقائد و نظریات کو باطل قرار دے دیا۔ انسانی تاریخ میں یہ بہت بڑی انقلابی آواز تھی' جسے دبانے کیلئے مذہب کے اجارہ داروں نے اپنے تمام حربے آزما دیکھے۔ روایت کی آڑ لیکر عورت کو منحوس۔ کمتر۔ اور گناہ کی ذمہ دار۔ آدم کو جنت سے نکلوانے والی۔ مکر و فریب کی پیکر غرضیکہ ہر برائی عورت کے سر تھوپ دی۔ بہرحال قرآن نے جاہلانہ دور کے ان تمام تصورات۔ رسومات اور اعتقادات کی تردید کر دی اور برملا اعلان کر دیا کہ۔

1- پیدائش کے اعتبار سے مرد اور عورت میں سے کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔

2- دنیا میں گناہ کے ذمہ ' عورت اور مرد دونوں ہو سکتے ہیں۔

3- مرد اور عورت ایک دوسرے کے زوج ہیں۔ بعض خصوصیات مرد کو دی گئی ہیں اور عورت ان سے محروم ہے۔ بعض عورت کو دی گئی ہیں۔ اور مرد ان سے بہرہ مند نہیں۔

4- انسانی صلاحیتیں دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں۔

5- مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ دونوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

اور آخر میں قرآن کی ایک مستقل قدر "احترام آدمیت" کا ذکر یہاں بے جا نہ ہو گا۔ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی مسابقت میں عورت کے متعلق دیگر اہانت آمیز رویوں کے علاوہ 'احترام آدمیت' کی قدر کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید کی ہے۔ فرمایا کہ "یہ حقیقت ہے کہ ہم نے فرزندان آدم کو واجب التکریم بنایا ہے 17/70" لہٰذا ہر انسان (عورت و مرد) کو محض انسان ہونے کی جہت سے واجب الاحترام قرار دیا جاتا ہے۔ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ ہمارا خود ساختہ مسلک اور عمل' ان اقدار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور ہم نے ہدایات خداوندی کے علی الرغم عورت کے متعلق بڑی نامناسب اور مضحکہ خیز باتیں پھیلا رکھی ہیں۔ مثلاً عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ٹوٹ جاتی ہے۔ سیدھی نہیں ہوتی۔ عورت پسلی کے مشابہ ہے سیدھا کرنے کے لالچ میں تو

اسے توڑ دے گا۔ تو اس سے متمتع ہو گا۔ اگرچہ وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ تمام باتیں ایسی جنس کے متعلق کی جارہی ہیں جو انسان سے متعلق نہیں بلکہ اس سے کچھ مختلف ہے اور زیادہ تشویشناک بات تو یہ ہے کہ ان سبب کو اقوال رسولؐ کہہ کر مقدس بنا دیا گیا ہے۔ جسکے لئے خود نبی کریمؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ جو بات کتاب اللہ کے خلاف ہو اسے قبول نہ کرو۔ اس ساری بحث کو سمیٹنے کے انداز میں اگر کچھ اپنی پوزیشن واضح کرنا چاہوں تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نظر انداز کر کے اپنے خود ساختہ قوانین و اعتقادات کو مقدم بنا لیا ہے اور بنی اسرائیل کی طرح اپنے آپکو ایک چاہتی امت کے افراد سمجھتے ہوئے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ ہماری ہزار نافرمانیوں کے باوجود نبی کریمؐ کی ایک شفاعت سے سب کا بیڑہ پار ہو جائے گا۔ جبکہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

"اور رسول کہے گا۔ کہ اے میرے نشوونما دینے والے! یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو مہجور بنا رکھا تھا۔ یعنی کتاب اللہ کو اپنے خود ساختہ مقتدات کی رسیوں سے اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا 25/30"

اندازہ فرمائیں۔ بارگاہ خداوندی میں حضور نبی کریمؐ کی اس فریاد یا شکائت کے بعد ہمارے پاس کیا رہ جائے گا اور پھر دنیا کی اور کونسی طاقت ہماری شفاعت یا داد رسی کے لئے آگے بڑھ سکے گی۔

یاد رفتگان

(1) علامہ اقبالؒ کے شیدائی اور علامہ غلام احمد پرویزؒ کے فدائی محترم محمد افسر صاحب ڈنمارک میں ایک دعوت پر مدعو تھے کہ خاموشی سے چند لمحوں میں اس دار فانی کو چھوڑ گئے۔ مرحوم بزم طلوع اسلام ڈنمارک کے پرانے اراکین میں سے تھے۔

(2) بزم طلوع اسلام جہلم کے نمائندے جناب قمر پرویز صاحب اس ماہ اچانک اپنی والدہ محترمہ کی ٹھنڈی چھاؤں سے محروم ہو گئے۔ تحریک کے لئے مرحومہ کی یہ خدمت کیا کم ہے کہ تحریک کو انہوں نے قمر پرویز جیسا محنتی اور مخلص کارکن عطا فرمایا۔

(3) علامہ پرویزؒ کے دیرینہ ساتھی جناب ملک فضل کریم صاحب جن کے دولت کدہ پر راولپنڈی میں برسوں شمع قرآنی روشن رہی 31 جنوری کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

ادارہ طلوع اسلام جدا ہونے والوں کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

پاکستان میں
علامہ غلام احمد پرویزؒ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1-ایبٹ آباد	595 کے۔ ایل کیمل۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
2-بورے والا	بر مکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر 5۔ رابطہ فون: 2438	پہلا اور تیسرا جمعہ	9 بجے صبح
3-پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ: 270737	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
4-پشاور	بر مکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
5-پیر محل	مکان نمبر 139/140- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
6-پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
7-جہلم	بر مکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	6 بجے شام
8-جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
9-چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر ہٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
10-چک 215 ای۔ بی	بر مکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
11-حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
12-حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
13-ڈی۔ جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج' بلاک 2- کچہری روڈ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
14-رجانہ	بر مکان چوہدری ایس۔ ایم صادق' مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
15-راولپنڈی	بمقام E-47/4385 اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4-30 بجے شام
16-سرگودھا	60-اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
17-سیالکوٹ	محمد افضل خلجی' ایبٹ روڈ۔ رابطہ فون: 87658	پہلا اور دوسرا جمعہ	10 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون۔ 42855	ہر جمعۃ المبارک	3-30 بجے شام
19- کراچی	چمن زاہد 19- بی بلاک 13- ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خالد گل فون: 539798	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
20- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ، C/36 اریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور، فون: 312631	جمعۃ المبارک	11-30 بجے صبح
21- کراچی	مکان E-282 قصہ کالونی نزد لودھی ہاؤس رابطہ: ڈاکٹر اسلم نوید۔ فون: 6660578	جمعۃ المبارک	4 بجے سہ پہر
22- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
23- کراچی	مکان 1206- گلی 10- اے، بی 36 شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: لطیف صدیقی، فون: 310716	اتوار	8 بجے شب
24- کوہاٹ	برمکان شیر محمد، نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
25- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
26- گجرات	مرزا ہسپتال، کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
27- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
28- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
29- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
30- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
31- لوکاڑہ	برمکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر 2 رابطہ فون: 3660	ہر جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO
AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Nattergaleveg 98, St Tv., 2400 Copenhagen NV	Last Sat 2 PM
3.	**Kuwait** Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 5.PM
4.	**NORWAY** Akeberg Veien-56, Oslo-6 Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
(i)	**Birmingham** 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
(ii)	**London** 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
(iii)	**Yardley** 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
(iv)	**Essex** 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
(v)	**Yorkshire** Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
ON AIR	**Dars-e-Quran on TV-9** Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب از ڈنمارک

کھلا خط

بنام

صدر مملکت خداداد اسلامیہ جمہوریہ پاکستان

جناب والا !

سلام و رحمت

آپ نے فرمایا ہے کہ:

یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی عوام کی بنیادی ضروریات زندگی---- روٹی' کپڑا' مکان' علاج معالجہ اور تعلیم و تدریس مہیا کرے۔ جو حکومت ایسا کرنے سے قاصر رہے۔ اس حکومت کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اقتدار میں رہے۔

مملکت خداداد پاکستان کو اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا تھا------ اس اسلامی مملکت کے سربراہ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو کہ:

روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں' جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔ (ہود 6)

پر لبیک کہتے ہوئے یہ کہے کہ:

ہم ایسا جنتی معاشرہ وجود میں لائیں گے جس میں قرآن کے مطابق نہ بھوک کی پریشانی ہو گی' نہ لباس کی' نہ پیاس کی تکلیف ہو گی' نہ سردی گرمی کا احساس۔ اس میں روٹی' کپڑا' مکان وغیرہ تمام افراد کو میسر ہو گا۔ اس کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہو گی---------- (طٰہٰ 118)

حضرت عمرؓ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر محیط اسلامی مملکت کے سربراہ تھے۔ آپؓ نے فرمایا تھا کہ:

"اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے اس کی بھی باز پرس ہو گی"۔

والسلام

محمد اسلم رانا

ڈنمارک

وابستگان طلوع اسلام کے لئے خوشخبری

ڈان ماڈل سکول کی عمارت کی تعمیر کا مرحلہ

وابستگان طلوع اسلام کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ تعلیمی پروگرام جو محترم پرویزؒ صاحب کی زندگی میں زیر غور تھا' اب عملی شکل اختیار کر رہا ہے۔ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی نے اس سلسلہ میں ڈان ماڈل سکول کے لئے قرآنک ریسرچ سنٹر کے کمپلیکس میں ایک قطعہ زمین مختص کر دیا ہے جس پر سکول کی عمارت تعمیر کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ تمام وابستگان فکر قرآنی سے التماس ہے کہ جو لوگ اس تعلیمی پروگرام میں شرکت کے متمنی ہیں وہ اپنے عطیات بذریعہ چیک یا ڈرافٹ بنام

QES - DAWN MODEL SCHOOL

25 - بی گلبرگ II لاہور _ 54660 پاکستان' کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

والسلام

کنوینر

انتظامیہ کمیٹی' ڈان ماڈل سکول

اعتذار

ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ اس شمارہ میں ابو منیب راشد صاحب کے مضمون "فکر پرویز کی اصل قدر وقیمت" کی دوسری قسط بوجوہ پیش نہیں کر سکے۔ انشاء اللہ اب یہ قسط اپریل کے شمارہ میں نذر قارئین ہو گی۔

ادارہ طلوع اسلام

ضروری وضاحت

ادارہ کے علم میں آیا ہے کہ "المسلم" نامی تنظیم جس نے اپنا ایڈریس تیسواں کلو میٹر۔ فیروز پور روڈ' رحمت پارک' کاہنہ نو ظاہر کیا ہے' اپنے اجتماعات میں اپنا تعلق محترم پرویزؒ صاحب کی پیش کردہ قرآنی فکر سے جوڑتی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام بصراحت یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ "المسلم" تنظیم کا تحریک طلوع اسلام یا پرویزؒ صاحب کی پیش کردہ قرآنی فکر سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی فکر کے افق کا ایک درخشاں ستارہ

(ڈاکٹر محمد اکرم مرزا مرحوم)

قیام پاکستان کے بعد' جب قرآنی فکر کو منظم طور پر ملک کے طول و عرض میں عام کرنے کے لئے بزم ہائے طلوع اسلام منصّہ شہود پر آئیں تو گجرات سے محترم شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ مرحوم اور جلال پور جٹاں سے محترم ڈاکٹر محمد اکرم مرزا کی قد آور شخصیتیں سامنے آتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد اکرم مرزا نے جلال پور جٹاں میں یونائٹڈ مسلم ہسپتال بنایا تو وہاں انہوں نے بزم طلوع اسلام قائم کی اور بزم کے نمائندہ منتخب ہوئے۔ اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک وہ اپنی بزم کے رفقاء کے ساتھ طلوع اسلام کی سالانہ کنونشنوں میں تسلسل کے ساتھ شرکت کرتے رہے' وہ اپنے علاقہ میں قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے فرائض اس ایثار' خلوص اور محبت بھرے سالار کارواں کی حیثیت سے ادا کرتے رہے کہ ہر دفعہ بلاستمرار انہیں ہی بزم کی نمائندگی کے فرائض سونپے گئے۔

بعد ازاں جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے گجرات میں مرزا ہسپتال قائم کیا تو وہاں پر بھی انہوں نے درس قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا جو آج تک اسی حسن و خوبی سے قائم چلا آرہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب' ان ہر دو جگہوں پر' خدمت انسانیت کے حوالہ سے بھی منفرد شخصیت کے طور پر متعارف تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں متعدد فری آئی کیمپ لگائے اور ان گنت بندگان خدا کو ان کی آنکھوں کا نور واپس لوٹایا۔

قرآنی فکر کے حوالہ سے انہوں نے مجلّہ طلوع اسلام' محترم پرویزؒ صاحب کے خصوصی خطابات پر متفرق پمفلٹوں' ان کی قرآنی تعلیمات پر مبنی تصانیف' ان کے درس ہائے قرآن کریم کی نشرواشاعت اور اس فکر کے دیگر منصوبوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

محترم پرویزؒ صاحب کی زندگی تک' جب بھی ان کی قرآنی فکر کو وسعت دینے کی غرض سے مختلف مقامات پر آپ کے دوروں اور خطابات کا انتظام کرنے کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلی پیش کش ہمیشہ ڈاکٹر محمد اکرم مرزا ہی کی طرف سے آئی۔ تقریباً ہر سال گجرات میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف سے محترم پرویزؒ

صاحب کے خطابات کا انتظام کیا جاتا جس میں بطور خاص جلال پور جٹاں اور گجرات کے صاحب علم احباب' دانشوروں اور چیدہ چیدہ شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا اور اس قرآنی فکر کو مؤثر طریقے سے عام کرنے کی کوششیں کی جاتیں۔ ایسے تمام مواقع پر محترم پرویزؒ صاحب کی قرآنی تعلیمات پر مبنی تصانیف کے لئے بھی سٹال لگتا اور ان کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی جاتی۔ اشاعتی پروگراموں کو مؤثر بنانے کی غرض سے' مرحوم ڈاکٹر صاحب' ملک بھر میں متعدد لائبریریوں کو' پرویزؒ صاحب کی تصانیف کے مکمل سیٹ ذاتی خرچ پر مہیا کرتے رہے۔ طلوع اسلام کالج کی سکیم کو پروان چڑھانے میں بھی انہوں نے بھرپور تعاون کیا۔ (جو بوجوہ قائم نہیں ہو سکا)

پرویزؒ صاحب کی وفات کے بعد ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کے قیام میں انہوں نے مثالی کردار ادا کیا اور دامے' درہمے اور سخنے اس منصوبہ کو کامیاب بنایا۔ وہ عمر بھر' بزم طلوع اسلام جلال پور جٹاں کے نمائندہ کی حیثیت میں ادارہ کی جنرل کونسل کے رکن رہے۔

جب وقت آیا کہ محترم پرویزؒ صاحب کے علمی شہ پاروں کو بہتر اور مؤثر طریقے سے محفوظ اور عام کرنے کے لئے طلوع اسلام ٹرسٹ قائم کیا جائے تو ڈاکٹر صاحب نے اس مہم میں نمایاں حصہ لیا اور اسے ممکن بنانے کے لئے ہر قسم کا لائق صد رشک تعاون پیش کیا۔

آپ تحریک طلوع اسلام کی ہر تنظیم یعنی ادارہ طلوع اسلام' طلوع اسلام ٹرسٹ' احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی اور قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے اہم اور فعال رکن کی حیثیت میں' عمر بھر سرگرم عمل رہے' اور اپنے ساتھیوں کے لئے قابل تقلید کردار پیش کیا۔ انہوں نے پرویزؒ میموریل ریسرچ سکالرز لائبریری کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

محترم پرویزؒ صاحب کے دیرینہ ساتھی اور معتمد خاص شیخ عبدالحمید مرحوم جب بیمار ہوئے تو انہوں نے' پرویزؒ صاحب سے اپنے قریبی قلبی تعلقات کی بنا پر' شیخ صاحب کو اپنے پاس مرزا ہسپتال میں بلایا اور اپنے زیر علاج رکھ کر ان کو صحت یاب کر کے واپس لاہور بھیجا۔

1993ء میں جب پہلی بار اپنے متعلق یہ معلوم ہوا کہ انہیں کینسر کی مہلک بیماری لاحق ہو گئی ہے تو ان پر ابتداءً اس کا گہرا اثر ہوا۔ اپنے ابتدائی علاج کے بعد جب وہ بظاہر صحت یاب ہو کر گجرات واپس گئے تو لاہور سے چند احباب ان سے ملاقات کے لئے گجرات گئے۔ انہوں نے بتایا کہ اس بیماری کا سب سے زیادہ صدمہ آور اثر ان کی ذات پر یہ تھا کہ "مجھے ایسی بیماری لگی ہے جس کا میں نے زندگی بھر خود علاج نہیں کیا۔ ابتداءً مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میری طبیعت مضمحل رہنے لگی اور میں اپنے کام میں حسب سابق دلچسپی لینے سے کترانے لگا۔ اسی دوران' ایک دن میرے اندر سے آواز آئی کہ اکرم تم قرآن کریم کے طالب علم ہو' قرآنی

تعلیم نے آج تک تمہاری سیرت سازی میں جو بھی اہم کردار ادا کیا ہے' اس کا تقاضا ہے کہ تم جوانمردی سے اس بیماری کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ میں نے اپنے اندر ایک نئی اور خوشگوار قوت محسوس کی اور زیادہ انہماک سے قرآنی تعلیمات کی طرف رجوع کیا اور ساتھ ساتھ اپنے علاج پر یکسوئی سے توجہ دی اور آج آپ کے سامنے تندرست بیٹھا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے جیسے بھی میسر آسکیں' طلوع اسلام کے سالانہ مجلدات اور قرآنی تعلیمات پر مبنی کتابیں اکٹھا کروں اور ان سے اکتساب کرتے ہوئے اپنے آپ کو اور زیادہ سود مند انسان بناؤں۔ اور انہوں نے---- ایسا کیا۔

چند ہی ماہ بعد جب اس بیماری نے بار دگر ان کو (اس بار ان کے دماغ کو) اپنا ہدف بنایا تو انہوں نے آخری دم تک اپنی روایتی جوانمردی سے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار بیماری غالب آگئی اور 19 جنوری 1995ء کو وہ اپنی حیاتِ ارضی سے قطع تعلق کر کے' حیاتِ آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ **طُوْبٰی لَهٗ وَ حُسْنُ مَاٰبْ**!

جب ان کی میت گجرات پہنچی تو ان کے انتقال کی خبر' منٹوں میں گجرات اور جلال پور جٹاں میں جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی۔ جمعہ کے دن' گجرات کے تمام اخبارات نے اپنے اس عظیم انسانیت دوست فرزند کے غم میں سیاہ لبادے اوڑھ لئے اور ان کی حسین سیرت کے تمام پہلوؤں کو نمایاں کرنے کے لئے وقف ہو گئے۔

مرکز سے ڈاکٹر زاہدہ درانی' محمد عمر دراز' عطاء الرحمان ارائیں' احمد حسین قیصرانی اور خالد عمر دراز ان کی آخری رسوم میں شرکت کے لئے گجرات پہنچے تو ان کی رہائش گاہ کے باہر انسانوں کا بے پناہ ہجوم پایا۔ ان میں سے ہر ایک کی آنکھ ان کے غم میں اشکبار تھی۔ گجرات میں نماز جنازہ کے بعد' ان کے جسد خاکی کو جلال پور جٹاں لے جایا گیا جہاں بار دگر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی' جس میں ایک انبوہ عظیم نے (جس میں اہل گجرات بھی شامل تھے) شرکت کی اور آنسوؤں سے لبریز آنکھوں اور غم سے بوجھل دلوں کے ساتھ انہیں سپرد خاک کیا۔

ڈاکٹر محمد اکرم مرزا مرحوم' ایک دلکش اور حسین شخصیت کے مالک بھرپور توانا انسان تھے۔ اپنی زندگی میں ایک حلیم' بردبار' ہنس مکھ' انسان دوست اور بگڑے معاملات کو سنوارنے والے انسان کے طور پر جانے جاتے تھے۔ محترم پرویزؒ صاحب کی قرآنی فکر کے شیدائیوں میں انہیں ایک ممتاز اور ارفع مقام حاصل تھا۔

قرآن کریم' انسان کی جس قسم کی سیرت سازی کرنا چاہتا ہے' وہ اس کے دل آویز پیکر تھے۔ دکھی انسانیت کے لئے ایک غم گسار معالج اور قرآنی فکر کے ایک جرأت مند اور سرگرم مبلغ کی حیثیت سے وہ

مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔ اس انداز کی حسین، پاک، منفعت بخش اور بھرپور زندگی گذار کر جب وہ آنسوئے افلاک روانہ ہوئے ہیں تو ہمیں اطمینان ہے کہ اللہ کی کائناتی قوتیں اس نوید حیات بخش سے ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھی ہوں گی کہ

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي ○ (89/28)

اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور انہیں اس سعادت سے بہرہ ور فرمائیں کہ وہ ان کے زندگی بھر کے مشن کو اسی عزم اور جہد سے جاری رکھ سکیں۔

جگر فگاران

اراکین طلوع اسلام ٹرسٹ

PLEASE TAKE CARE OF YOUR
SUBSCRIPTION
SO THAT PUBLICATION OF YOUR
MAGAZINE
IS
NOT DISTURBED
ALSO
PLEASE REPLENISH YOUR
PERSONAL ACCOUNT
AS QUICKLY AS IS POSSIBLE.